83

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

مدیر مسئول:

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: ۸۵۲۶۱۱

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

ماہنامہ حکمتِ قرآن لاہور

جاری کردہ: ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ (مرحوم)

محرم الحرام ۱۴۰۴ھ
مطابق
اکتوبر ۱۹۸۳ء
جلد دوم، شمارہ ۸

مدیر اعزازی

ڈاکٹر ابصار احمد
ایم اے۔ ایم فل۔ پی ایچ ڈی

معاون مدیر

حافظ عاکف سعید
(ایم اے فلسفہ)

فہرس

محاضرات قرآنی ——— ۲

حرف اوّل ——— ۳
ڈاکٹر ابصار احمد

الٓمٓ (سورۃ زخرف) ——— ۵
مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد

نظارۃ المعارف القرآنیہ ——— ۱۱
حضرت مولانا عبیداللہ انور

قرآنی علم و فہم کا درجہ حکمت ——— ۲۱
مولانا محمد تقی امینی

مروجہ نظام زمینداری اور اسلام ۳۳
مولانا محمد طاسین

قرآن کی صفات ——— ۳۹
سید اسعد گیلانی

حسن انتخاب ——— ۴۵

از مطبوعات: مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور- ۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

طابع: ایس اے سلیم   مطبع: آفتاب عالم پریس، لاہور

زرِ سالانہ: ۲۰/- روپے، اس شمارے کی قیمت ۲/- روپے

اِنْ شَاءَ اللّٰہ العَزِیْز

مرکزی انجمن خُدّامُ القرآن لاہور

کے زیرِ اہتمام - اس سال دوسری بار

محاضراتِ قرآنی

۲۸ اکتوبر تا یکم نومبر ۸۳ء — جناح ہال لاہور

میں جاری رہیں گے جن میں مقامی اصحابِ علم و دانش کے علاوہ

ہندوستان سے متعدد علماء کرام شرکت فرمائیں گے، مثلاً:

۱ - مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہ (مدیر "برھان"، دہلی)

۲ - مولانا محمد تقی امینی مدظلہ (ناظم سنی دینیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

۳ - پروفیسر محمد اقبال انصاری (ڈائرکٹر، شعبہ علوم اسلامی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

۴ - مولانا وحید الدین خاں (مدیر "الرسالہ"، دہلی)

۵ - مولانا اخلاق حسین قاسمی (مہتمم مدرسہ رحیمیہ، دہلی)

اور بعض دیگر اصحاب

"صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے!"

ابصار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

"حکمت قرآن" کا زیرِ نظر پرچہ نئے اسلامی سال یعنی ۱۴۰۴ھ کا پہلا شمارہ ہے۔ محرم الحرام کے چاند پر نظر پڑی تو راقم کی زبان پر یہ مسنون دعا آگئی اور اس کے الفاظ دل کی گہرائیوں سے نکلتے ہوئے معلوم ہوئے اللّٰھم اھلہ علینا بالامن والایمان والسلامۃ والاسلام ربی وربک اللہ۔ ھلال رشد وخیر اللہ تعالیٰ نئے سال کو مسلم ممالک اور اہلِ اسلام کے لئے خیر و برکت، امن و سلامتی اور اتحاد کا سال بنائیں آمین

اس شمارے میں چند مقالات تو وہ ہیں جو قسط وار چل رہے ہیں۔ مثلاً: مولانا طاسین صاحب کا سلسلہ وار مضمون "مروجہ نظام زمینداری اور اسلام"۔ اور مولانا محمد تقی امینی صاحب کے محققانہ اور فکر انگیز مضمون "قرآنی علم و فہم کا درجہ حکمت" کی چوتھی قسط۔ علاوہ ازیں گزشتہ محاضرات قرآنی میں مولانا عبیداللہ انور صاحب کا پیش کردہ ایک نہایت وقیع علمی مقالہ بعنوان "نظارۃ المعارف القرآنیہ" شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے۔ جسے قارئین نہایت ایمان افروز اور معلوماتی پائیں گے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا مقام اس صدی میں سرزمین برصغیر میں کی جانے والی اسلامی احیائی مساعی میں مسلّم اور ناقابلِ فراموش ہے۔ دہلی میں ادارہ نظارۃ المعارف القرآنیہ کا قیام مولانا کی خدمتِ قرآن کے سلسلے میں کی جانے والی ایک اہم کاوش تھی۔ جس کے بارے میں لوگ بہت کم واقفیت رکھتے

ہیں - مولانا سندھیؒ کا ذکر آیا تو ذہن معاً پروفیسر محمد سرور صاحب کی طرف منتقل ہوگیا جنہوں نے مولانا سندھیؒ کے افکار و نظریات کو بالخصوص ریسرچ کا موضوع بنایا - اگرچہ خود پروفیسر محمد سرور صاحب کا انداز فکر اور مولانا سندھیؒ کے افکار کی ترجمانی بعض حلقوں میں اختلافی رہی لیکن اس حیثیت سے انکار ممکن نہیں کہ پروفیسر محمد سرور صاحب کی کتب نہایت وقیع اور فکر انگیز ہیں - پروفیسر موصوف اس ماہ اچانک ملک سے باہر دبئی میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون - میری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کی علمی وفکری لغزشوں سے درگزر فرمائیں - اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دیں - آمین -

اس شمارے کے بقیہ مندرجات میں مولانا اسعد گیلانی کا مضمون، قرآن کی صفات، قابل ذکر ہے -

قارئین "حکمت قرآن" کے لئے یہ خبر یقیناً باعث مسرت ہوگی کہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام محاضرات قرآنی کا ایک خصوصی پروگرام ماہ حال کی ۲۸ تا یکم نومبر ترتیب دیا گیا ہے - ان محاضرات میں پاکستان اور ہندوستان کے مشاہیر علماء شرکت فرمائیں گے اور مختلف موضوعات پر مقالات پیش فرمائیں گے - انشاء اللہ یہ مقالات آئندہ اشاعتوں کی زینت بنیں گے - اور قارئین "حکمت قرآن" اس طرح ان سے بھرپور استفادہ کر سکیں گے -

سلسلۂ تقاریر الٓمٓ

سُورَۃ زخرف

مقرر : ڈاکٹر اسرار احمد

السلام علیکم! نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حٰمٓ ۚ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ ۙ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۚ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا
لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۙ آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ العظیم

سلسلۂ حوامیم کی تیسری سورۃ، سورۃ شوریٰ ہے۔ لیکن اس کے آغاز میں حٰمٓ کے علاوہ تین حروف مقطعات اور آئے ہیں۔ عٓسٓقٓ۔ گویا کہ یہ ان سورتوں میں شامل ہے جن کا آغاز پانچ حروف مقطعات سے ہوا ہے۔ لہٰذا اس پر گفتگو بعد میں ہوگی۔ اس کے بعد آتی ہے سورۃ زخرف۔ نواسی آیات پر مشتمل اور سات رکوعوں میں منقسم ہے۔ اس سورہ مبارکہ کا آغاز ہوتا ہے۔

حٰمٓ ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ ۝

"قسم ہے اس کتاب کی جو بالکل روشن ہے اور واضح ہے" اس آیۂ مبارکہ اور اس کے بعد کی دو آیات میں قرآن مجید کے بارے میں پانچ اہم حقائق سامنے آتے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ قرآن مجید کی قسم کھانے سے اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ نبوت محمدی کا اصل ثبوت قرآن مجید ہے۔ یا یوں کہیے کہ نبی اکرمؐ کا اصل معجزہ اور سب سے بڑا معجزہ، وہ معجزہ کہ جسے تحدی کے ساتھ چیلنج

کے انداز میں پیش کیا گیا، وہ قرآن حکیم ہے - دوسری بات فرمائی گئی کہ یہ کتاب "المبین" ہے یعنی روشن ہے اور واضح ہے - یہ گویا کہ وہی بات ہے جو سورہ حٰمٓ السجدہ میں فُصِّلَتْ کے لفظ سے تعبیر کی گئی - یعنی یہ کتاب مفصل روشن اور واضح ہے - پھر فرمایا :

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

ہم نے اسے قرآن عربی بنا کر نازل کیا" جیسا کہ گذشتہ گفتگو میں عرض کیا جا چکا ہے - درحقیقت یہ اتمام حجت ہے اہل عرب پر جو حضورؐ کے اوّلین مخاطب تھے کہ ان کے اور قرآن کے مابین اجنبیت کا کوئی پردہ حائل نہیں ہے - اگر قرآن کسی اور زبان میں اترتا تو ان کے پاس ایک عذر موجود ہوتا وہ یہ کہ عرب والوں کے لئے دوسری کسی زبان میں ہدایت کیسے مفید مطلب ہو سکتی ہے جیسا کہ سورہ مومن میں آیا تھا - جس کا بیان ہو چکا ہے : أَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ چنانچہ ہم نے قطع عذر کے لئے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا - تیسری عظیم حقیقت جو سامنے آتی ہے وہ یہ کہ یہ قرآن مجید اس دنیا میں دو صورتوں میں ہے ایک مصحف کی شکل میں، اوراق میں لکھا ہوا - اور دوسرے حفاظ کے سینوں میں - لیکن انہی دو پر اکتفا نہیں - چنانچہ فرمایا :

وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝

یہ ہمارے پاس اُم الکتاب کے اندر محفوظ موجود ہے - اسی کی طرف اشارہ ہے سورہ بُروج میں، وہاں فرمایا گیا -

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝

یہ قرآن جو دُنیا میں اوراق میں لکھا ہوا ہے، حفاظ کے سینوں میں ہے یہی قرآن اللہ کے پاس لوحِ محفوظ میں ام الکتاب میں مندرج ہے اور محفوظ و موجود ہے - چوتھی چیز یہ کہ اس کتاب کی شان "لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ" ہے

یعنی یہ بلند و برتر کلام بھی ہے اور حکمت سے پُر اور کمالِ حکمت والا ہے۔
پانچویں حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن "الذکر" ہے۔ ذکر اور ذکریٰ یہ لفظ اس سے پہلے کئی مرتبہ آچکا ہے۔ جس کے اصل معنی یاد دہانی کے ہیں۔ سورۂ صٓ میں فرمایا تھا:

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝

قرآن یا الذکر یا ذکریٰ کو نازل فرمانا اللہ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت اپنے ذمہ لیا ہوا ہے تاکہ انسانوں پر اتمام حجت ہو جائے۔ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمارے پاس کوئی ہدایت آئی نہیں تھی۔ یہاں یہ فرمایا کہ اگر کچھ لوگ روگردانی پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں اگر انکار پر تلے ہوتے ہیں تو اس سے ہمارا وہ فیصلہ بدلا نہیں جا سکتا۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْکُمُ الذِّکْرَ صَفْحًا اَنْ کُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِیْنَ ۝ (آیت ۵)

کیا صرف اس وجہ سے کہ تم ایک حد سے گزر جانے والی قوم ہو ہم ناراض ہو کر اس ذکر کا رخ تمہاری جانب سے کسی دوسری جانب پھیر دیتے، اس ذکر کو نازل نہ فرماتے!

اس طرح ان پانچ آیات میں قرآن حکیم کا بڑا ہی پر جلال اور پر عظمت بیان آیا ہے۔ اسی ضمن میں اس سورہ مبارکہ میں ایک اور آیت وارد ہوئی یہ کہ:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ۝ (آیت ۳۱)

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن نازل کرنا ہی تھا تو اللہ تعالیٰ دو بڑے شہروں میں سے کسی بڑے انسان کو اس کے لئے منتخب کرتا۔" عرب کے علاقے حجاز میں مکہ اور طائف یہ دو بڑے شہر تھے اور یہاں بڑے بڑے رؤسا

موجود تھے - اس لئے کہ ان کا پیشہ تجارت تھا اور خانہ کعبہ کی وجہ سے ان کو عرب میں مرکزیت حاصل تھی اس کی وجہ سے ان کے جو تجارتی کارواں ہوتے تھے، ان کو ایک حفاظت حاصل تھی جو کسی اور کو حاصل نہ ہو سکتی تھی لہذا ان کی تجارت خوب چمکی ہوئی تھی - ان کے پاس دولت کے انبار جمع تھے - ان میں سے ولید بن مغیرہ جیسے شخص بھی تھے جن کے پاس بڑے بڑے محلات تھے مکہ میں بھی اور طائف میں بھی اور زر و جواہر کے ڈھیر جن کے گھروں میں موجود تھے، تو کہنے والوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول بنا کر کیسے بھیجے گئے جبکہ یہ تو ایک یتیم انسان ہیں - ان کے پاس دنیوی اعتبار سے کوئی حیثیت و وجاہت نہیں ہے - مال و دولت بھی ان کے پاس نہیں ہے - آخر ان کو ہی قرآن کے نزول کے لئے کیوں منتخب کیا گیا - قریش کے مکہ اور طائف میں یہ بڑے بڑے چودھری، بڑے بڑے سرمایہ دار اور بڑے بڑے سردار جو ہیں ان میں سے کسی کو کیوں نہ چن لیا گیا - یہ لوگوں کے سوچنے کے انداز جو بھی ہیں ان کی ذہنی سطح جو بھی ہے اسی کے اعتبار سے انہوں نے یہ بات کہی جواباً ارشاد ہوا -

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ط (۳۲)

"کیا اب میرے رب کی رحمت کو بھی یہ لوگ تقسیم کریں گے - یہ فیصلہ کریں گے — ؟ یہ وہی بات ہے - جو سورۃ انعام میں ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے کہ ؛

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ط (۱۲۴)

"اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون رسالت کا اہل ہے" - رسالت اور نبوت دولت مندوں کو ملے! یہ اللہ کا کوئی قاعدہ اور ضابطہ نہیں ہے - اللہ چاہے تو دنیوی اور اخروی دونوں نعمتیں کسی ایک کے پاس جمع کر دے - حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کا معاملہ ایسا ہی تھا لیکن یہ کہ رسالت کے لئے جن صلاحیتوں کی

ضرورت ہے جن استعدادات کی ضرورت ہے اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کس میں ہیں۔ اور اللہ کے علم کامل اور علم قدیم میں جو بات ہے اس کا مظہر اتم ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

آیت نمبر ۴۳ میں آنحضورؐ کو تلقین ہوئی کہ آپؐ انکی باتوں سے بددل نہ ہوں اور انکے ان بے سروپا اعتراضات کی وجہ سے آپؐ ملول وغمگین نہ ہوں۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

آپؐ مضبوطی سے تھامے رکھیئے! تمسک کہتے ہیں کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑ لینا۔ لہٰذا آں حضورؐ سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے ہمارے رسول آپؐ مضبوطی سے تھام لیجئے اُس چیز کو کہ جو آپؐ پر وحی کی گئی ہے یعنی قرآن حکیم، اللہ کا یہ کلام۔ یہی درحقیقت آپؐ کی دعوت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور خود آپؐ کے صبر وثبات کیلئے سب سے بڑی بنیاد ہے۔ یہی سیدھی اور ہر کجی سے مبرا فوز وفلاح کی راہ ہے

اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

آپؐ یقیناً سیدھی راہ پر ہیں۔ ان لوگوں کے پروپیگنڈے کے طوفان آپؐ کو خدا نخواستہ کہیں بددل نہ کر دیں۔ پورے یقین کے ساتھ، پورے اعتماد کے ساتھ ڈٹے رہیئے۔ اپنے فرض منصبی کو ادا کرنے پر اور قرآن مجید کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھیئے۔

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ (۴۴)

یہ آپؐ کے لئے اور آپؐ کی قوم کے لئے یاددہانی ہے جو اللہ تعالےٰ نے نازل فرمائی، اور جلدی تم سب لوگوں سے بازپرس ہوگی اور تم سب کو جواب دہی کرنی ہوگی۔ اختتام پر یہ آیت آئی:

وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (آیت ۸۸)

"اور قسم ہے اس رسول کے اس قول کی (صلی اللہ علیہ وسلم)" یہاں حضورؐ

کی فریاد نقل ہو رہی ہے کہ "اے میرے ربّ، اے میرے پروردگار! میری یہ قوم تو ایمان لا کر نہیں دے رہی ہے یہ تو ماننے والے معلوم نہیں ہوتے۔" ایک طرح کی مایوسی کا سا عنصر آنحضورؐ کی اس فریاد میں جھلکتا ہے لیکن اس کا جو مقام اور مرتبہ اللہ کے نزدیک ہے وہ اس سے سامنے آتا ہے کہ اللہ نے آپؐ کے اس قول کی قسم کھائی ہے کہ وَقِيلِهِ ۔ پھر آپؐ کی فریاد کا ذکر فرمایا ہے کہ :

يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

لیکن جواب میں جو ہدایت آپؐ کو دی گئی ۔ جو تلقین آپؐ کو فرمائی گئی وہ وہی ہے جو قرآن مجید میں بار بار نقل ہوئی ہے ۔

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ

"اے نبیؐ! آپؐ ان سے ذرا اپنا رُخ پھیر لیجئے ۔ چشم پوشی سے کام لیجئے ، درگذر کیجئے ۔"

وَقُلْ سَلٰمٌ

اور سلام کہہ کر ان سے علیحدگی اختیار کر لیجئے ۔

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (آیت ۸۹)

وہ وقت زیادہ دُور نہیں ہے جب کہ یہ جان لیں گے کہ حقیقت کیا تھی جب کہ حقائق منکشف ہو جائیں گے ۔ اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ آپؐ کی دعوت کو ردّ کرنے کے نتائج کتنے ہولناک اور دردناک ہیں :

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم
ونفعنى وإياكم بالآيات والذكر الحكيم

نظارۃ المعارف القرآنیہ

برعظیم میں خدمتِ قرآنی کا ایک روشن باب

حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ
خلف الرشید و جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ

کے قلم سے

"نظارۃ المعارف القرآنیہ کے مقاصد قوم کے گوش گذار ہو چکے ہیں اور میرے دل کی یہ بات ہے کہ ان مقاصد کو اہم مقاصد خیال کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ میں کا یقین بھی رکھتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں مولوی عبید اللہ صاحب (سندھی) ہی صرف وہ شخص واحد ہیں جو ان مقاصد کو انجام دے سکتے ہیں، ان کی ذات خود ایک مدرسہ اور دارالعلوم ہے وہ جہاں بیٹھ جائیں اس کو نظارۃ المعارف کہہ سکتے ہیں، میں نے ۲۸ مارچ ۱۹۱۴ء کو اس درسگاہ کو دیکھا ایک مختصر سا کمرہ فتح پوری کی مسجد کے حوالی میں ہے جو داخل مسجد ہے، چند طلباء اس وقت مصروف درس تھے، میں نے حیرت سے دیکھا کہ چند گریجویٹ جن کے لئے زمین پر بیٹھ کر سبق پڑھنا نہایت نفس کشی کا کام ہے بڑے شوق سے اس نفس کشی میں مشغول ہیں۔ اس سلسلہ سے بہت سی اُمیدیں ہیں۔ میرا جو خیال تھا کہ زمانہ حال کے موافق علماء پیدا کئے جائیں اور انگریزی خوانوں کو عالم بنایا جائے، وہ اسی طریقہ سے پورا ہو سکتا ہے اور ہو رہا ہے۔ خدا مولوی صاحب موصوف کو جزائے خیر دے اور ندوۃ (العلماء) کو چشم بصیرت کہ جو کام اس نے پیش نظر رکھا تھا وہ یہاں ہو رہا ہے۔"

حضراتِ گرامی، ابھی آپ نے جو طویل اقتباس سماعت فرمایا یہ سیرت النبیؐ، الفاروق اور النعمان جیسی کتابوں کے مصنف اور مشہور اسکالر علامہ شبلی نعمانی کا ہے، جنہوں نے ۲۸ مارچ ۱۹۱۴ء کو نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی کا معائنہ کیا

اور معائنہ کے بعد یہ رائے تحریر کی - اس ادارہ کے ایک طالب علم مرزا اسحاق
بیگ مراد آبادی نے مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے ہمدرد کو یہ رائے ارسال کی جیات
ہمدرد کی اشاعت ۱۷ اپریل ۱۹۱۴ء میں یہ شائع ہوئی اور ابھی حال ہی میں "نابہ
شبلی" کے عنوان سے ان کی متعدد تحریرات اور مکاتیب کے ساتھ یہ سطور بھی یونیو
اورینٹل کالج کے مجلہ میں افضل حق قرلیشی کی وساطت سے سامنے آئی ہیں

اس ادارے سے سب سے پہلے جو صاحب فارغ ہوئے ان کا نام پیر
مصباح الدین احمد صدیقی ہے جو ضلع رہتک کے صدیقی خانوادہ کے چشم و
چراغ ہیں — اس خاندان کے بزرگوں کی محنت اور تبلیغ کے نتیجہ میں
گوڑگاؤں، کرنال، حصار وغیرہ اضلاع میں متعدد قبائل اسلام لائے اور
خاندان کے متعدد افراد کو ۱۸۵۷ء کو جنگ آزادی میں شہید کیا گیا - رحمہم
اللہ تعالیٰ -

پیر مصباح الدین ریٹائرڈ پی - ای - ایس ہیں اور آجکل اسلام آباد میں
مقیم ہیں - ان کے اہم ترین ساتھیوں میں مشہور خادم قرآن خواجہ عبد الحی
صاحب تھے جو دہلی کی ایک دوسری درسگاہ جامعہ ملیہ جس کا
سنگ بنیاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں
علی گڑھ میں رکھا پھر یہ درسگاہ دہلی منتقل ہوئی، اس میں خواجہ صاحب
قرآنی علوم پڑھانے پر مامور رہے اور تقسیم ملک کے بعد اسلامیہ کالج ریلوے
روڈ لاہور میں اسلامیات کے سربراہ ہوئے -

پیر مصباح الدین صاحب کو جو سند ملی اس پر بحیثیت ناظم نظارۃ
المعارف مولانا احمد علی لاہوری کے دستخط ہیں ۲۳ شعبان ۱۳۴۴ھ
تاریخ ہے - مہر میں مسجد فتح پوری کا عکس ہے اور وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ
لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ کی معروف آیت کریمہ کے ساتھ ساتھ انما
انا قاسم واللہ یعطی کی حدیث بھی مندرج ہے - یہ ادارہ ۱۹۱۳ء
میں دہلی میں قائم کیا گیا اور اس کے بانی و مؤسس اصولی طور پر حضرت شیخ
الہند مولانا محمود الحسن تھے پہلے ناظم و مدرس مولانا عبید اللہ سندھی، جبکہ ان
ہا

سحاۃ

ی جان کار مولانا احمد علی لاہوری رح تھے اور جب ۱۹۱۵ء میں مولانا سندھی
ین نا، استاذ گرامی شیخ الہند کے حکم سے کابل تشریف لے گئے تو مولانا احمد علی
ی یونیو ذمہ دار قرار پاتے ریشمی رومال تحریک کا راز فاش ہونے [illegible]
ے آئی گرفتاریوں کا جو سلسلہ شروع ہوا مولانا احمد علی بھی اسکی نذر ہو گئے اور
پس یہ ادارہ وقتی طور پر بند ہو گیا -

لے حیثیت مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنی خود نوشت میں نظارۃ المعارف کے
میں ملق چند جملے لکھے ہیں، مولانا فرماتے ہیں "حضرت شیخ الہند کے ارشاد سے
ادارا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا ۱۳۳۱ھ میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی
- رجن کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ حکیم اجمل خان اور نواب
ر الملک ایک ہی طرح شریک تھے - حضرت شیخ الہند نے جس طرح چار سال
م آباد دیوبند میں رکھ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کرایا اسی طرح دہلی پہنچ کر مجھے
ید انجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے اس غرض کی تکمیل کے لئے دہلی تشریف
سرے آتے، اور ڈاکٹر انصاری سے میرا تعارف کرایا - ڈاکٹر انصاری نے
ندا بیسے مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر سے ملایا، اس طرح تخمیناً دو
سال مسلمانان ہند کی اعلیٰ سیاسی طاقت سے واقف رہا"

بلو۔ (سرگزشت کابل ص ۱۱ مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۸۰ء)

اس ادارہ کی ہیئت کذائی، مقاصد اور تاریخ کو ـــــــــــــــ

ظ امنے رکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قیام سے حضرت شیخ الہند ان
ھر کیلئیان گرامی کو قرآن کی روشنی سے منور کرانا چاہتے تھے جو حالات کی سردمہری
قصر اد شکار ہو گئے تھے - اس تلخ اور افسوسناک حقیقت کو جھٹلانا بڑا مشکل ہے
ز انہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ خونی کے بعد ہندوستان بھر کا مسلمان بری طرح متاثر
۱۹۱۲ء - حکومت گئی، کاروبار گئے، مدارس اور خانقاہیں اجڑیں اور تن ہمہ
رت نغ داغ شد والی کیفیت پیدا ہو گئی، اس کے بعد جو تحریکیں تعلیم کے نام
ان میں سے ایک قاسمی تحریک تھی جسے عرف عام میں دیوبندی تحریک
ہا جاتا ہے اور دوسری علیگڑھی تحریک - بعض حضرات کا دیوبندی تحریک کو

ایک مکتب فکر کے طور پر دُنیا کے سامنے پیش کرنا نامناسب سی بات ہے اسلاف سے منقول علمی وراثت کی ترویج واشاعت اور مسلمان قوم کے عہد رفتہ کی بحالی کے لئے دیوبند کا مدرسہ اور دوسرے مدارس معرض وجود میں آئے الازہر علی گڑھ ندوہ اور جامعہ ملیہ جیسی درسگاہوں کے فضلاء کو ازہری، علیگ ندوی اور جامعی کہنا اگر صحیح اور یقیناً صحیح ہے تو اسی طرح دیوبندی فضلاء کو دیوبندی کہنا بھی صحیح ہے، اس سے آگے اس درسگاہ کے حوالہ سے کوئی بات عقل ودانش کے نقطۂ نظر سے صحیح نہیں۔

اور پھر ارباب علم اس بات سے بھی واقف ہیں کہ دیوبند اور علی گڑھ ہر دو تحریکات کے بانی یعنی مولانا محمد قاسم نانوتوی اور سرسید احمد خان کا آخری سرچشمۂ فیض ایک ہی تھا یعنی ولی اللہی خاندان کی تعلیمات۔ چنانچہ شیخ محمد اکرام مرحوم نے اپنی کتاب موج کوثر میں تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ جدید علم کلام کی تدوین اور انگریز سے مصالحت جیسے نقاط کے پیش نظر ہر دو تحریکات میں شدید بُعد پیدا ہو گیا سرسید احمد خاں مرحوم نے جدید علم کلام وضع کر ڈالا۔ اور انگریز سے مصالحت پر پوری قوم کو ابھارنا چاہا جبکہ ارباب دیوبند اس کے قطعاً روادار نہ تھے وہ علم کلام کے جدید اسلوب کے تو حامی تھے لیکن افکار ملی میں تغیر وتبدل ان کے نزدیک کسی طرح درست نہ تھا بلکہ وہ اسے الحاد وزندقہ سے تعبیر کرتے جب کہ انگریز سے مصالحت کو وہ اجتماعی خودکشی سے تعبیر کرتے۔ تاہم انکی خواہش یہ تھی کہ علی گڑھ کی درسگاہ ملت کے مقاصد کے کام آئے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ اس بُعد اور خلیج کو پاٹا جائے۔ حضرت شیخ الہند جیسے مجدد وقت کی نظر اس بات پر برابر تھی اور گو کہ اس ضمن میں پہلے بھی کوششیں ہو چکی تھیں لیکن ان کوششوں کو منظم شکل دینے والے ——— حضرت شیخ الہند تھے ——— شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں۔

"ملکی معاملات میں دونوں (مولانا نانوتوی اور سرسید) کا طریق کار مختلف تھا جنگ آزادی میں سرسید نے ایک فریق کا

ساتھ دیا تو دوسرے نے اس کے مخالف فریق کا۔ مولانا محمود الحسن کو بھی علی گڑھ سے کم اختلافات نہ تھے، انہیں سرسید سے پیر بھائی یا استاذ بھائی ہونے کا بھی وہ ربط حاصل نہ تھا جو سرسید اور بعض بزرگان دیوبند کے درمیان تھا لیکن خدا کی قدرت ہے کہ ان کے زمانے میں علی گڑھ اور دیوبند کے درمیان خلیج پُر ہونے کا سامان ہوا۔" (موج کوثر صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء)

حضرت شیخ الہند نے اس سلسلے میں جو پہلا قدم اٹھایا وہ ۱۹۰۶ء میں جمعیۃ الانصار کا قیام تھا جس میں علی گڑھ کے وائس چانسلر صاحبزادہ آفتاب احمد برابر شریک ہوتے پھر ۱۹۱۱ء کے دارالعلوم دیوبند کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں صاحبزادہ صاحب شریک ہوئے اور اسی موقعہ پر دونوں درسگاہوں کے طلبہ کے تبادلہ کا پروگرام طے ہوا جس کا تلخ نتیجہ حضرت شیخ الہند کی گرفتاری کی شکل میں سامنے آیا کہ انیس احمد نامی طالب علم جو علی گڑھ سے تعلق رکھتے تھے غیروں کی سی۔ آئی۔ ڈی کے فرائض انجام دینے میں لگ گئے۔ تاہم جب ۱۹۱۳ء میں نظارۃ المعارف کی بنیاد ڈالی گئی تو اس کے سرپرستوں میں علی گڑھ کے سیکرٹری نواب وقار الملک برابر کے شریک تھے اور شیخ الہند اسارت مالٹا سے جب واپس ہوئے تو تکلیف کے باوصف جامعہ ملیہ کے افتتاح کیلئے علی گڑھ گئے اور وہاں ایک تاریخی تقریر فرمائی جس کے یہ جملے ان کے ظرف کی بلندی اور حوصلہ مندی کے شاہد عدل ہیں — یہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ کی تقریر ہے۔ شیخ نے فرمایا۔

"اے نونہالان وطن، جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار، جس میں میری ہڈیاں پگھلی جارہی تھیں، مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا ...

شیخ الہند کے یہ تمام اقدامات جن میں نظارۃ المعارف بھی شامل تھا، قرآنی رُوح سے ملت کے نوجوانوں کو آشنا کرنے اور دونوں طبقوں کا آپس میں رشتہ جوڑنے کی غرض سے تھے — قرآن کے معاملہ میں آپ کے احساسات کا اندازہ مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالےٰ کے حوالہ سے سامنے آنے والی اس وصیت و نصیحت سے ہوسکتا ہے جو وفات سے چند دن قبل مخصوص حضرات کو کی گئی — آپ نے فرمایا ۔

"میں نے جیل کی تنہائیوں میں غور کیا کہ پوری دنیائے اسلام دینی اور دنیوی حیثیت سے کیوں تباہ ہورہی ہے؟ تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے ایک ان کا قرآن چھوڑنا دوسرے آپس میں اختلافات اور خانہ جنگی، اس لئے میں وہیں سے عزم — لیکر آیا ہوں کہ قرآن کریم کی تعلیمات اور ان پر عمل کو عام کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدل کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے"

یہ بات تو اسارت مالٹا سے واپسی کی ہے کہ ان کے جذبات میں یہ شدت پیدا ہوچکی تھی اس سے قبل بھی آپ ان باتوں سے غافل نہ تھے چنانچہ دیوبند اور علی گڑھ جیسے دو مقامات کا آپس میں رشتہ جوڑنا معمولی درجہ کی بات نہ تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان مقامات میں نفرت کی دیواریں حائل ہوچکی تھیں ان کو پاٹنا اسی مجددِ وقت کا کام تھا اور پھر نظارۃ المعارف اور اس کے بعد جامعہ ملیہ کا قیام وہ انقلاب آفریں اقدام تھے کہ شاید آج ان کا ہمیں اندازہ نہ ہوسکے ۔

نظارۃ المعارف کے لئے مولانا سندھی کا انتخاب حضرت شیخ الہند کی دور رس نگاہ نے کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا نومسلم تھے نومسلم کے جذبات جو ہوسکتے ہیں ان سے ایک زمانہ آگاہ ہے آپ نے قرآن اس طرح پڑھا کہ وہ آپ کی رُوح کی گہرائیوں میں اتر گیا اور پھر مدۃ العمر یہی آپ کا مشغلہ رہا ۔ اُدھر آپ کو قدرت نے وہ صلاحیتیں بخشی تھیں کہ آپ جدید تعلیم یافتہ لوگوں سے ان کی زبان میں گفتگو کرکے انہیں مطمئن کرنا جانتے تھے ۔

شیخ محمد اکرام مرحوم جیسا جدید تعلیم یافتہ مصنف مولانا کو مغربی مادیت اور مشرقی رُوحانیت کا حسین امتزاج قرار دیتا ہے اور مولانا کو شیخ الہند کا دماغ سمجھتا ہے۔

اکابر دیوبند کے افکار بالخصوص فلسفۂ جہاد کے سلسلہ میں علی گڑھی احباب کو جو شبہات لاحق تھے، شیخ الہند خود اس کا اعتراف فرماتے کہ وہ بے بنیاد نہیں ہیں، لیکن ایسا بھی نہیں کہ انہیں حل نہ کیا جا سکے۔ اور ان کے حل کے سلسلہ میں ان کی نظر انتخاب مولانا سندھی پر پڑی۔ مولانا سندھی اس بات کو اپنے استاذ گرامی مولانا محمود الحسن کا فیضان سمجھتے اور فرماتے کہ:

"خدا کے فضل سے ہمیں حضرت شیخ الہند کی صحبت کے فیض سے اس مسئلے میں پورا اطمینان حاصل ہو گیا تھا چنانچہ علی گڑھ کے طلبہ سے اس معاملہ میں اگر ہماری گفتگو ہوتی تو ہم انہیں جہاد کا مقصود اصلی اچھی طرح سمجھا سکتے تھے۔" (موج کوثر ص ۲۰۳)

نظارۃ المعارف کی شکل میں یہ اسٹیج فراہم ہوئی اور مولانا کو اس کا موقعہ ملا تو مختصر وقت میں ایک ایسی کھیپ تیار ہو گئی جو سر سید احمد خان مرحوم کے فلسفۂ تعاون کے بجائے عدم تعاون کی علم بردار ثابت ہوئی جسکا نتیجہ جامعہ ملیہ کی شکل میں سامنے آیا۔ مولانا سندھی کے کابل تشریف لیجانے کے بعد مولانا احمد علی اس سلسلہ کو احسن طریق سے چلاتے رہے وہ مولانا سندھی کے پرانے معتمد اور حضرت شیخ الہند کے ہی فیض یافتہ تھے انکی گرفتاری کے بعد وہ بزم بظاہر سونی ہو گئی۔ لیکن یہ دونوں بزرگ جہاں گئے شبلی کے الفاظ میں نظارۃ المعارف قائم کر کے بیٹھ گئے مولانا سندھی نے کابل، روس اور ترکیہ میں جس طرح قرآن کی خدمت کی اس کے لئے مرحوم ظفر حسن ایبک کی آپ بیتی ملاحظہ کی جا سکتی ہے کہ آپ ایک دن اس سے غافل نہ ہوئے اور علماء کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم یافتہ حضرات کو برابر قرآن پڑھاتے رہے۔ روس جیسے الحاد زدہ ملک میں آپ نے ذرہ برابر خوف محسوس نہیں کیا اور کتاب الٰہی کے معارف پھیلانے میں مشغول ہو گئے اور جب آخر میں

مکہ معظمہ پہنچے تو اس سرزمین وحی پر برابر گیارہ برس کتاب مقدس کے انوار پھیلاتے۔ مولانا عبداللہ لغاری اور علامہ موسیٰ جار اللہ جیسے حضرات نے اسی دور میں آپ سے استفادہ کیا۔ علامہ موسیٰ اس سے قبل روس میں بھی استفادہ کر چکے تھے۔ مولانا سندھی اپنی سرگذشت میں اپنے قیام مکہ معظمہ کا محبوب ترین مشغلہ قرآن کی خدمت اور امام ولی اللہ دہلوی کی کتابوں کی تدریس قرار دیتے ہیں۔

(سرگذشت کابل ص۱۴)

آپکے اسی دور کے نوٹس ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم شیخ الجامعہ جامعہ ملیہ کے توسط سے محفوظ ہوئے اور پھر پاکستان پہنچے جن کی بنیاد پر ہائی کورٹ لاہور کی انسپکشن ٹیم کے ممبر ڈاکٹر منیر احمد مغل نے انہیں مرتب کیا جو عنقریب شائع ہونے والے ہیں — اور مکہ معظمہ سے واپسی کا مختصر وقت دیوبند، دہلی، لاہور، کراچی، سندھ اور دین پور شریف میں جو گذرا تو اسی کتاب کی خدمت میں۔ دہلی میں آپ کا قیام ان دنوں جامعہ ملیہ میں ہوتا جہاں کے شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین آپکے عزیز دوست اور بھائی مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے مرید و تربیت یافتہ تھے وہ شیخ الہند، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر انصاری اور نواب وقار الملک کے سینچے ہوئے پودے کے رکھوالے تھے۔ انہوں نے دہلی کے بہترین دماغ جامعہ میں اکٹھے کئے جنہوں نے مولانا سندھی سے قرآن پڑھا ان میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی، پروفیسر مجیب، ڈاکٹر عابد حسین صاحب خود ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اور دوسرے حضرات شامل تھے — اُدھر مولانا احمد علی کو دیکھیں تو ان سے ان کے استاذ گرامی مولانا سندھی نے باقاعدہ بیعت لی تھی کہ خدمت قرآن نہیں چھوڑنی۔ چنانچہ اس وقت سے لے کر اپنے یوم وفات ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء بروز جمعرات تک برابر اس سلسلہ میں مشغول رہے۔ دہلی سے گرفتاری کے بعد آپ کو ضلع جالندھر اور شملہ نظر بند رکھا گیا جیسے تیسے بھی ہوا وہاں ایک آدھ مسلمان قیدی تلاش کر کے اس عہد وفا کو نبھایا اور پھر جب لاہور نظر بند ہوئے تو یہی بات رہی اور جب تھانہ ٹولکھا کی نظر بندی سے رہا ہوئے تو ایک دن ضائع کئے بغیر شیرانوالہ کے علاقہ میں اللہ کا نام لینا شروع کر دیا۔ اور قرآن کا

درس جاری فرما دیا۔ جب آپ لاہور تشریف لائے تو پورے لاہور میں ایک جگہ درس قرآن نہ تھا لوگ مثنوی شریف کا درس دیتے۔ اس راہ میں جو مشکلات آئیں وہ آئیں لیکن اس "عنقا" کا آشیانہ بلند تھا اس لئے کسی چیز کی پرواہ نہ کی۔ درمیان میں ہجرت کابل کا مرحلہ آیا تو درس نہ چھوٹا، سفر حرمین کی نوبت آئی تو تدریس جاری رہی۔ ملک میں تبلیغی دورے ہوئے تو جہاں پہنچے نماز باجماعت کے اہتمام کے لئے اپنی گھڑی مسجد کی گھڑی سے ملا کر وہاں کی مسجد سے اوقات نماز معلوم کرائے اور درس کا اہتمام فرمایا۔ لاہور میں علماء کے ساتھ ساتھ عوام اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے دروس کے سلسلے جاری ہوئے پھر بچیوں کا انتظام کیا آپ کی پڑھائی ہوئی بچیاں اس وقت اللہ کے فضل سے دنیا کے مختلف حصوں میں تدریس قرآن میں مشغول ہیں حال ہی میں ہمارے ایک دوست تبلیغی جماعت کے ساتھ بعض یورپین ممالک میں گئے تو وہاں کے ایک سفارت خانہ کے فرسٹ سیکرٹری کی اہلیہ —— جنہوں نے حضرت لاہوری کے تعلق سے نہ صرف دعوت کی بلکہ بتایا کہ میں اپنے استاذ گرامی کی نصیحت کو پورا کرنے کے لئے یہاں دیار غیر میں مصروف تدریس قرآن ہوں۔ لاہور میں جن حضرات نے آپ سے پڑھا انہیں جہاں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا قاری محمد طاہر قاسمی، مولانا عبدالحنان ہزاروی، مولانا عبداللہ بہلوی شجاع آباد، مولانا کفیل احمد بجنوری استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ، مولانا ابوالبیان حماد اور مولانا مفتی بشیر احمد پسروری شامل ہیں، وہاں علامہ علاؤ الدین صدیقی خواجہ عبدالوحید ایڈیٹر الاسلام (انگلش)، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، ڈاکٹر محمد فاروق (دیال سنگھ کالج)، شیخ محمد عظیم ایڈووکیٹ، پروفیسر سعادت علی خاں، ڈاکٹر عبداللطیف ایم۔ بی۔ بی۔ ایس، چودھری عبدالرحمٰن خان ایم۔ اے۔ ایل، ایل، بی، مولوی بشیر احمد لدھیانوی بی۔ اے، مولوی محمد مقبول عالم بی۔ اے اور حافظ فضل الٰہی ایم۔ اے۔ جیسے جدید تعلیم یافتہ حضرات بھی شامل تھے۔ آپ کے درس قرآن کا شہرہ تھا کہ حضرت مولانا حسین علی صاحب وال بھچراں، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دھلوی اور

مولانا حافظ عبدالرحمٰن محدث امروہی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابرین اور ارباب علم وفضل کی سفارش لے کر طلبہ آتے اور داخل ہوتے۔ اس کے علاوہ مولانا مدنی تو ہر سال دورۂ حدیث کے طلبہ کو تلقین کرتے کہ تمہارے علوم کی تکمیل مولانا احمد علی کے یہاں ہوگی۔

اس خدمتِ قرآن نے انہیں گوہر شب چراغ بنا دیا، اور آج کم از کم پنجاب کے طول وعرض میں جو قرآنی خدمت نظر آ رہی ہے اس کا بالواسطہ یا بلاواسطہ سبب آپ ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ترجمہ وتفسیر لکھنے کی توفیق بخشی تو ہر مکتب فکر کے علمائے اسکی تحسین کی۔

الغرض ۱۹۱۳ء میں دہلی سے جس سلسلہ خیر کی ابتدا بشکل نظارۃ المعارف ہوئی تھی، جنگ عظیم اول اور دوسرے حوادث کے سبب وہاں تو وہ سلسلہ بہت کم ویر چلا لیکن مولانا سندھی تھے تو اپنی وفات ۱۹۴۴ء تک اور مولانا لاہوری تھے تو اپنی وفات ۱۹۶۲ء تک ایک دن بھی اس بنیادی کام سے غافل نہ ہوئے اور یہی ایک بندہ مومن کی شان ہے — اللہ تعالیٰ ان اکابر کو اپنی خصوصی رحمتوں سے نوازے اور ان کے چھوڑے ہوئے کام کی تکمیل کی ان کے اخلاف کو توفیق بخشے، سعادت مند ہیں وہ لوگ جن کی عمریں قرآن عزیز کی نذر ہو رہی ہیں اسلئے کہ اس سے بڑھ کر نہ کوئی خدمت ہے نہ سعادت۔

اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد — اللھم وفقنا لما تحب وترضی وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین —

ڈاکٹر ابصار احمد ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی

کی تالیف (بزبان انگریزی صفحات ۱۶۰)

کانٹ اور کرکیگارڈ

ایک تقابلی مطالعہ

(عنقریب شائع ہو رہی ہے)

ناشر: مکتبہ کاروان، کچہری روڈ، لاہور

قرآنی علم و فہم کا درجہ حکمت

(قسط ۴)

مولانا محمد تقی امینی

"احسن تقویم" میں نوری امتزاج کا عمل طبعی خواص کو بارآور بنانے کی قدرتی کوشش ہے۔ اس بنا پر اس کا اثر کسی ایک "مجرد توانائی" تک محدود نہیں رہتا بلکہ تمام طبعی قوتوں تک وسیع ہوتا ہے۔ مثلاً روح میں نورانی حقیقت کی آمیزش کا ثبوت یہ ہے۔

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ..... الخ[1]

"لوگ آپؐ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں؛ آپؐ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم بہت تھوڑا علم دیئے گئے ہو"

آیت میں نورانی حقیقت کی تعبیر "امر رب" سے کی گئی ہے جس کے ادراک کے لئے انسان کے سرمایۂ علم کو ناکافی قرار دیا گیا ہے۔ اس صورت میں لفظ مِنْ عربی قاعدے کے مطابق تبعیضیہ ہوگا۔ لیکن اس سے معنی و مفہوم میں کوئی خرابی نہ ہوگی جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔

من امر ربی ..... الخ[2]

"مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ میں مِنْ کلمۂ تبعیضیہ ہے اور بعضوں نے بیانیہ کہا ہے"

ابو البقاء کہتے ہیں :- ان الروح ..... الخ[3]

"روح وہ جوہرِ علوی ہے جس کی شان میں قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ"

---

[1] بنی اسرائیل آیت ۸۵ [3] ابوالبقاء حسینی کلیات ابوالبقاء فصل رابع

[2] سید محمد آلوسی روح المعانی ج ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۸۵

کہا گیا ہے۔ یعنی وہ امر سے موجود ہے" پھر اسکے بعد ہے ۔

قبا لامر ..... الخ[1]

"امر سے مراد ارواح (غیر مادی) کا وجود ہوتا ہے اور خلق سے مادی اجسام کا وجود ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں :

ان فی روح الانسان ..... الخ[2]

" انسان کی روح میں ایک لطیفہ نورانی ہے جس کو طبعی طور پر اللہ کی طرف سے ویسی ہی کشش ہے جیسی لوہے کو مقناطیس کی طرف ہوتی ہے۔ یہ بات وجدان سے معلوم ہوتی ہے۔"

دوسری جگہ ہے :

کوۃ من عالم القدس[3] ..... الخ

"وہ عالم قدس کی طرف ایک روشن دان ہے۔"

عقل میں نورانی حقیقت کی آمیزش کا ثبوت عہد فطرت والی آیت اعتراف ربوبیت میں گذر چکا[4]۔ جس کی تشریح حضرت ابی بن کعب سے یہ منقول ہے ۔

جمعھم فجعلھم ..... الخ[5]

" اللہ نے ان کو جمع کیا۔ جوڑے جوڑے بنائے، ان کو گویائی دی۔ انہوں نے کلام کیا پھر ان سے عہد و پیمان لیا

محدثین نے فاستنطقھم (ان کو گویائی دی) کی یہ تشریح کی ہے

خلق فیھم العقل وطلب منھم النطق[6]

" اللہ نے ان میں عقل پیدا کی اور ان سے گویائی طلب کی۔"

---

[1] کلیات ابوالبقاء فصل رابع [2] ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ باب الایمان بان العبادۃ حق اللہ تعالیٰ ..... الخ [3] ایضاً، باب حقیقۃ الروح [4] سورہ اعراف، آیت ۱۷۲ [5] مشکوۃ کتاب الایمان بالقدر الفصل الثالث [6] مرقاۃ حاشیہ کتاب الایمان بالقدر

اسی آمیزش کی بنا پر راغب اصفہانی نے عقل کا یہ ثمرہ بیان کیا ہے:

من اشرف ثمرۃ العقل معرفۃ اللہ وحسن طاعتہ والکف عن معصیتہ[1]

"عقل کا اشرف ثمرہ اللہ کی معرفت، اس کی حسنِ طاعت اور اس کا معصیت سے رکنا ہے"

شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں:

العقل لہ وجہان ..... الخ[2]

"عقل کے دو رخ ہیں ایک بدن و اعضاء (مادیات) کی طرف ہے اور دوسرا ان سے خالص (نورانیت) کی طرف ہے"

قلب میں نورانی حقیقت کی آمیزش کا ثبوت یہ ہے:

واعلموا ..... الخ[3]

"اور یہ یقین رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہے"

اسی آمیزش کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلب کے فیصلہ پر اعتماد ظاہر فرمایا:

البرّ ما اطمأن الیہ القلب[4]

"نیکی وہ ہے جس سے دل کو اطمینان ہو"

امام غزالیؒ کہتے ہیں۔ القلب ..... الخ[5]

"قلب اصل فطرت کے لحاظ سے فرشتے اور شیطان دونوں کے آثار قبول کرنے کی برابر صلاحیت رکھتا ہے۔ ان میں کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔"

شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں۔

---

[1] "راغب اصفہانی الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ [2] ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، المقامات والاحوال [3] سورۃ الانفال آیت ۲۴ [4] امام احمد، مسند احمد، ج ۴ من حدیث ابی ثعلبۃ الخشنی [5] الغزالی احیاء العلوم ج ۳ بیان تسلط الشیطان علی القلب بالوساوس۔

ان القلب ..... الخ[1]

"قلب کے دو رُخ ہیں ایک بدن و اعضاء کی طرف ہے اور دوسرا ان سے خالص (نورانیات) کی طرف ہے"

نفس میں نورانی حقیقت کی آمیزش کا ثبوت یہ ہے۔

یا یتھا النفس المطمئنۃ ..... الخ[2]

"اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف چل تو اس سے راضی ہے وہ تجھ سے راضی ہے"

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اس دُعا سے بھی ثبوت ملتا ہے:

اللّٰھم ات نفسی ..... الخ[3]

"اے اللہ میرے نفس کو اس کا تقویٰ عنایت فرما اور آپ اس کا تزکیہ کر دیجئے، آپ تزکیہ کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں اور آپ ہی اس کے ولی و کارساز ہیں"

علامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں:

اید المطمئنۃ بجنود عدیدۃ ..... الخ[4]

"اللہ نے نفس مطمئنہ کی متعدد لشکروں سے مدد کی اور فرشتہ کو ہم نشین بنایا"

نورانی امتزاج کے بعد ان طبعی قوتوں کی نوعیت بدل جاتی ہے اور ان کے ذریعے انسان کی بناوٹ میں وہ قدریں نقش ہو جاتی ہیں جو مبادی فطرت کہلاتی اور زندگی میں اعلیٰ صفات کا مظہر بنتی ہیں جیسا کہ اس کا ثبوت قرآنِ حکیم کی ان آیتوں میں ہے۔

ھل اتی علی الانسان ..... الخ[5]

"کیا زمانہ میں انسان پر ایسا وقت گذرا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا؟

---

[1] ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ج ۲، المقامات والاحوال [2] سورہ فجر آیت ۲۷ [3] مسلم و مشکوٰۃ، باب الاستعاذۃ الفصل الاول [4] ابن قیم کتاب الروح المسئلۃ الحادیۃ والعشرون [5] سورۃ دھر آیت ۱

ہم نے انسان کو پانی کی ایک مخلوط بوند سے پیدا کیا۔ اس کو الٹتے پلٹتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے اس کو دیکھنے سننے والا بنا دیا۔ ہم نے اس کو راہ سجھادی۔ چاہے شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا بنے۔"

ان میں تخلیق و زندگی کے ابتدا کا ذکر ہے اور اس میں سمیع و بصیر (سننے والا اور دیکھنے والا) انسان کی تمام اعلیٰ قدروں کی نہایت جامع تعبیر ہے جس میں نیکی و بدی کا شعور، خیر و شر میں امتیاز اور ضمیر کی بیداری وغیرہ بھی شامل ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے۔

فالهمها.....الخ[1]

"ہم نے اس کو برائی اور پرہیزگاری الہام کر دی"

بل الانسان .....الخ[2]

"بلکہ انسان اپنے اوپر خود گواہ ہے خواہ وہ کتنے ہی عذر پیش کرے"

لا اقسم .....الخ[3]

"میں ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں"

ترتیب کچھ اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ پہلے اجزائے ترکیبی کے خواص وجود میں آئے جن کو بار آور بنانے کے لئے نوری امتزاج کا عمل ہوا۔ پھر طبعی قوتوں کی نوعیت بدلی اور اعلیٰ قدروں کے نقوش ثبت ہوئے، پھر نور وحی کے ذریعہ نقوش کا نوری پیکر تیار ہوا جو دین فطرت کہلاتا ہے۔ یہ دین فطرت مبادی فطرت کے اس طرح مطابق ہے کہ انسان کی بناوٹ میں جو نقوش پوشیدہ تھے دین نے انہیں کے مطابق نوری پیکر تیار کیا جیسا کہ قرآن حکیم کی اس آیت میں دونوں کا ذکر ہے۔

فاقم وجهك .....الخ[4]

"تم یکسو ہو کر دین کی طرف رخ سیدھا کرو، یہی اللہ کی فطرت ہے جس پر

---

[1] سورہ شمس آیت ۸ — [3] سورہ قیامہ آیت ۲

[2] سورہ قیامہ آیت ۸ — [4] سورہ روم آیت ۳۰

اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔

اسی بنا پر کہا جاتا ہے :

فالانسان بفطرته مامور باوامر الفطرة[1]

" انسان اپنی فطرت کے مطابق احکام فطرت پر مامور ہے۔"

فالدین الفطری یامر وینھیٰ ما تأمر و تنھیٰ عنہ الفطرة[2]

" فطری دین انہیں باتوں کا حکم دیتا اور انہیں سے منع کرتا ہے جن کا فطرت حکم دیتی اور جن سے فطرت منع کرتی ہے۔"

قدرت کی اس صناعی کا ادنیٰ نمونہ پھل، پھول اور سبزیوں کے پودوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ پہلے ان کی جڑیں پانی و نمکیات زمین سے کھینچتی ہیں پھر تنہ کے ذریعہ ان کو سبز پتیوں تک پہنچاتی ہیں۔ پھر سبز پتیاں سورج کی روشنی کی مدد سے ان کو خوراک میں تبدیل کرتی ہیں۔ اس طرح گویا پہلے طبعی خواص نے "عروق" نورِ فطرت سے کھینچا جن کو طبعی قوتوں کے ذریعہ نقوش تک پہنچایا گیا۔ پھر نورِ وحی کے ذریعے ان نقوش کے مطابق نوری پیکر تیار ہوا جو انسانیت کے لئے فراہمی غذا کا کام انجام دیتا ہے۔

اعلیٰ قدروں کے نقوش سبھی انسانوں کی بناوٹ میں پیوست ہوتے ہیں خواہ وہ نورِ وحی سے فیضیاب ہوئے ہوں یا محروم رہے ہوں، یہی وجہ ہے کہ زندگی ہر دور میں، زمین کے ہر خطہ اور انسانوں کی ہر نسل میں کچھ نہ کچھ قدریں پائی جاتی رہی ہیں۔ مثلاً سچائی، دیانت داری، مظلوموں کی دادرسی، مسکینوں کی خبرگیری، انسانوں کے ساتھ ہمدردی و حسنِ سلوک وغیرہ:

قرآن حکیم نے ان قدروں کی تعبیر عرف و معروف سے کی ہے جس کے

---

[1] المعلم عبدالحمید فراہی القائد الی عیون العقائد۔ ص ۱۲۱

[2] ایضاً۔ ص ۱۶۴

معنی جانی پہچانی بات کے ہیں

وسمی اللہ ھذا الامر الفطری فی القرآن المعروف [1]	اللہ نے قرآن میں اس امر فطری کا نام معروف رکھا ہے۔

مفسرین نے یہ معنی بیان کئے ہیں :-

ھو ما تعارفہ الناس من الخیر [2]	خیر و بھلائی کی وہ باتیں جن سے لوگ متعارف ہوتے ہیں

دوسری جگہ ہے :-

والمعروف ھو ما حسن فی العقل والشرع [3]	معروف وہ ہے جس کی شرع اور عقل تحسین کرے

ابوبکر رازی نے زندگی کی تمام جہات کے لئے اس کلمہ کو جامع قرار دیا ہے

کلمۃ جامعۃ لجمیع جھات الامر بالمعروف [4]	امر بالمعروف کی تمام جہتوں کے لئے یہ کلمہ جامع ہے۔

قرآن حکیم نے انہیں قدروں کا "نوری پیکر" تیار کیا ہے جو دین کے نام سے موسوم ہے اور جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں :

فطرۃ فطر اللہ الناس علیھا	وہ فطرت جس پر اللہ نے لوگوں کو
ولن تجد لفطرۃ اللہ تبدیلا	پیدا کیا اس میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ
ولیس ذالک الا فی اصول البر	پائیں گے اور یہ صرف نیکی و بدی کے
والاثم و کلیاتھا دون	اصول اور ان کے کلیات میں ہے۔
فروعھا وحدودھا وھذہ	فروع اور تفصیلات میں نہیں ہے۔

---

[1] المعلم عبدالحمید فراہی ۔ القاید الی عیون العقائد ص ۱۲۱

[2] محمد عبدہ مصری تفسیر المنار ج ۹ ص ۹۱

[3] ابوبکر جصاص احکام القرآن ج ۳ ص ۳۸

[4] ابوبکر رازی تفسیر کبیر جزء رابع ص ۳۰۱ ، ص ۳۰۲

الفطرة هو الدين الذی لا یختلف باختلاف الاعصار والانبیاء کلهم مجمعون علیه [1]	یہی فطرت وہ دین ہے جو زمانوں کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتی ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام اس پر متفق رہے ہیں۔

قرآن حکیم نے جو نوری پیکر تیار کیا ہے وہ ان اجزاء پر مشتمل ہے۔

(۱) ایمان و اعتقاد
(۲) طہارت و پاکی
(۳) عبادت و طاعت
(۴) تصور نیکی و بدی ——— اور
(۵) تصور پاکیزگی و گندگی

(۱) ایمان و اعتقاد سے متعلق نوری پیکر (دین) کی بنیادی باتیں مثلاً ہر قسم کی خوبیوں کے ساتھ اللہ کو متصف سمجھنا۔ ان سے اللہ کی پاکی بیان کرنا جو اس کی شان کے مناسب ہیں۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ تمام حوادث سے پہلے اللہ کے علم میں ایک اندازہ مقرر ہے۔ اللہ کے فرشتے ہیں جو اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اللہ نے اپنے بندوں میں سے جسے چاہا رسول بنایا اور کتاب دی۔ قیامت، مرنے کے بعد کی زندگی، جنت و دوزخ سب حق ہیں۔

(۲) طہارت و پاکی سے متعلق نوری پیکر (دین) کی بنیادی باتیں مثلاً: جسم و لباس کو گندگی و میل کچیل سے پاک و صاف رکھنا، قلب و دماغ کو ہر قسم کی آلودگیوں اور آلائشوں سے دور رکھنا، نفس و شرمگاہ کو کثافتوں و غلط کاریوں سے محفوظ رکھنا، زبان، آنکھ، کان وغیرہ کو غلط استعمال سے بچانا۔

(۳) عبادت و طاعت سے متعلق نوری پیکر (دین) کی بنیادی باتیں مثلاً اللہ کی زیادہ سے زیادہ تعظیم کرنا، چہرہ اور دل اس کے سپرد کرنا، خالص

---

[1] ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ باب اقتضاء التکلیف والمجازاۃ

اسی کی عبادت وطاعت کو اپنے اوپر فرض سمجھنا، شعائر (خالص اللہ کی یادگار) کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا، عبادت و طاعت میں غیر کی شرکت کو حرام سمجھنا اور اس کو نفع وضرر کا مالک ومختار سمجھنا۔

(۴) نیکی وبدی سے متعلق نوری پیکر (دین) کی بنیادی باتیں مثلاً دل کی پاکی وعمل کی سچائی جس کے لئے محض ضابطہ کی خانہ پُری کافی نہیں بلکہ اللہ سے مستقل ربط وتعلق ضروری ہے، نیکی زندگی کے کسی ایک گوشہ میں محدود نہیں بلکہ اس کا تعلق زندگی کے تمام گوشوں سے ہے۔ کمال نیکی حاصل کرنے کے لئے اپنی پسندیدہ چیزوں کی قربانی لازمی ہے۔ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا۔

(۵) پاکیزہ وگندی چیزوں سے متعلق نوری پیکر (دین) کی بنیادی باتیں مثلاً پاکیزہ وگندی چیزیں برابر نہیں ہیں۔ ایک کو دوسرے سے بدلنے کی اجازت نہیں۔ گفتگو، تعلقات، روزی، زندگی اور اولاد وغیرہ ہر ایک میں پاکیزگی کو اختیار کرنا اور گندگی سے دور رہنا۔

ان اجزاء کی اجمالی نمائندگی (نوری پیکر تیار ہونے سے پہلے) انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں بھی موجود ہوتی ہے جو فطرت کی آواز ہوتی ہے۔ اور "نقوش" کے لئے عملی ثبوت فراہم کرتی ہے۔

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں یہ نظریہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ فطرت کی لوح سادہ و بے نقش ونگار ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ صرف ماحول وعادات کا پیدا کردہ ہے۔ اس نظریہ کی تردید زندگی کے ابتدائی خطابات سے بھی ہوتی ہے۔ جب کہ ماحول وعادت نے جڑ نہیں پکڑی تھی۔ وہ یہ ہیں:

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا..... الخ [1]

"اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے لئے ستر پوشی بھی ہے اور زینت بھی۔ مزید برآں تقویٰ کا لباس ہے جو اس سے بھی

---

[1] سورۂ اعراف آیت ۲۶، ۲۷، ۳۱، ۱۵

بڑھ کر ہے۔ یہ اللہ کی آیات میں سے ہے تاکہ وہ یاددہانی حاصل کریں۔

اے اولادِ آدم! شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈالنے پائے جسطرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا ان کے لباس اتروا کر کہ ان کے سامنے بے پردہ کردے۔ وہ اور اس کا جتھا تم کو وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے۔ ہم نے شیطان کو ان لوگوں کا رفیق بنادیا ہے جو ایمان سے محروم ہیں۔

اے اولادِ آدم! ہر مسجد کی حاضری کے وقت اپنے لباس پہنو اور کھاؤ پیو البتہ اسراف نہ کرو۔ اللہ اسراف کرنے والے کو پسند نہیں کرتا ہے۔

اے اولادِ آدم! اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آئیں تم کو میری آیات سنائیں تو جو ڈرا اور جس نے اصلاح کرلی ان کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو میری آیات کو جھٹلائیں گے اور تکبر کرکے ان سے اعراض کریں گے، وہ دوزخ والے ہیں اور وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی ہدایتیں ابتدائی مرحلہ میں بے نقش و نگار لوح کو نہیں دی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح یہ نظریہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ انسان ابتداء میں خیر و بھلائی، حق و عدل، تقوی و طہارت وغیرہ سے بالکل ناواقف تھا۔ ایک طویل فکری و اخلاقی سفر کے بعد ان اقدار تک اس کی رسائی ہو سکی ہے۔ اس کی تردید آدمؑ کے دو بیٹے ہابیل و قابیل کی سرگذشت سے بھی ہوتی ہے کہ ابتداء میں نہ صرف ان قدروں کا تصور موجود تھا بلکہ ان عملاً ظہور ہو رہا ہے۔ وہ یہ ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ..... الخ [1]

اور ان کو آدمؑ کے دو بیٹوں کی سرگذشت حق کے ساتھ سنائیے جب کہ

---

[1] سورۂ مائدہ آیت ۲۷ تا ۳۱

ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہیں قبول ہوئی۔ اس (قابیل) نے کہا کہ میں تجھے قتل کر دونگا اس (ہابیل) نے جواب دیا کہ اللہ تو اپنے متقی بندوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ اگر تم مجھے قتل کرنے کے لئے مجھ پر دست درازی کرو گے تو میں تم پر دست درازی کرنے والا نہیں ہوں۔ میں اللہ رب العزت سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا گناہ اور اپنا گناہ تم ہی سمیٹ لو اور جہنم والوں میں سے ہو جاؤ۔ یہی سزا ظلم کرنے والوں کی ہے۔ بالآخر (اس قابیل) کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر لیا اور وہ اس کو قتل کر کے خسارہ پانے والوں میں ہو گیا۔ پھر اس کے بعد اللہ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین میں کریدتا تھا تاکہ وہ اس کو دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے۔ اس (قابیل) نے کہا کہ ہائے میری کم بختی! کیا میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو ڈھانک دیتا۔ غرض کہ وہ اس پر شرمندہ ہوا۔"

اس سرگذشت سے ایمان باللہ، خوفِ خدا، اخلاص و تقویٰ، حق و عدل، عزت کی حفاظت، جان کا احترام، قربانی، ندامت اور ضمیر کی بیداری کا ثبوت ملتا ہے، جس کے لئے طویل فکری و اخلاقی سفر کا موقع ہی نہ ملا تھا۔

اسی طرح یہ نظریہ بھی غلط ہے کہ دین کا آغاز شرک سے ہوا اور بتدریج ترقی کرتے کرتے انسان توحید تک پہنچا بلکہ صحیح یہ ہے کہ دین کا آغاز توحید سے ہوا۔ یہی اس کی فطرت کی صدا ہے جیسا کہ عہد فطرت والی آیت میں اللہ کی ربوبیت کا اقرار ہے جس سے اس کا ثبوت فراہم کیا گیا اور آدم کے دونوں بیٹوں کی سرگذشت میں اس کی تائید موجود ہے پھر بعد کی آیتوں میں عہد فطرت کی جو وجہ بیان کی گئی اس سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے وہ یہ ہیں:

اَوْ تَقُوْلُوْا ..... الخ[1]

---

[1] سورہ اعراف آیت ۱۷۳: ۱۷۴

"یہ ہم نے اس لئے کیا کہ شاید قیامت کے دن تم یہ عذر کرنے لگو کہ ہم تو اس سے بیخبر ہی رہے یا یہ عذر کرو کہ ہمارے باپ دادا نے پہلے سے شرک کیا۔ ہم ان کے بعد ان کی اولاد ہوئے تو کیا باطل پرستوں کے عمل کی پاداش میں آپ ہم کو ہلاک کرینگے"

اسی طرح یہ نظریہ بھی غلط ہے کہ دین کی ابتدا حیرت و خوف کے جذبہ سے ہوئی کہ جب انسان کو خوفناک و ڈراؤنی چیزوں سے اپنے تحفظ کی ضرورت ہوئی تو ان کو راضی کرنے کے لئے خوشامد و لجاجت کی ضرورت پیش آئی۔ یہیں سے پوجا پاٹ کی داغ بیل پڑی اور مختلف چیزوں کی پرستش شروع ہوگئی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ دین کی ابتداء تعظیم و محبت کے جذبہ سے ہوئی کہ جس نے انسان کو منعم کی شکر گذاری و فرمانبرداری پر آمادہ کیا اس کا ثبوت عہد فطرت والی آیت میں اقرار ربوبیت سے ہوتا ہے جو بجائے خود مربی سے انس و محبت اس کی تعظیم و تکریم اور اس کی فرمانبرداری و شکر گذاری کی طرف دعوت ہے۔ قرآنی لغت میں رب کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں

ھو انشاء الشئ حالا فحالا	کسی شے کو مختلف حالتوں اور ضرورتوں
الی حد التمام [1]	کے مطابق اس طرح نشو و نما دیتے رہنا
	کہ وہ حد کمال تک پہنچ جائے۔

مفسرین نے اللہ کے اقرار کے بجائے رب کے اقرار کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اہل عرب کو اللہ کے اللہ ہونے سے انکار نہ تھا بلکہ رب انہوں نے اللہ کے سوا اور بھی بنا لئے تھے۔ یہ توجیہ بھی صحیح ہے لیکن اس سے زیادہ گہری اور جامع حقیقت یہ ہے کہ قرآن جس طرح اہل عرب کے لئے ہے اسی طرح ہر جگہ کے انسانوں کے لئے ہے۔ اس میں ان تمام نظریات کی تردید موجود ہے جو وقتاً فوقتاً ایجاد ہوتے رہتے اور انسان کی خالص فطرت اور اس کی صدا کو داغدار بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

---

[1] راغب اصفہانی، المفردات

مروّجہ نظامِ زمینداری اور اسلام

(قسط ۶)

از قلم: مولانا محمد طاسین

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ مزارعت سے متعلق مرفوع احادیث کے درمیان اجمال و تفصیل کی قسم کا اختلاف تو ضرور پایا جاتا ہے لیکن مزارعت کے جواز و عدم جواز سے متعلق حقیقی معنوں میں تعارض نہیں پایا جاتا کیونکہ تعارض کے لئے جن امور کا وجود ضروری ہے وہ یہاں موجود نہیں لیکن اگر اس کے باوجود یہ تسلیم کر لیا جائے کہ تعارض موجود ہے بعض احادیث مزارعت کے جواز پر اور بعض عدم جواز پر دلالت کرتی ہیں تو پھر آئیے یہ دیکھیں کہ متعارض احادیث کے متعلق محدثین کرام اور علماء اصول الحدیث اور اصول الفقہ نے جو اصولی ضابطہ مقرر فرمایا ہے اس کے مطابق ان احادیث میں سے کونسی قابل اعتبار اور قابل قبول ٹھہرتی اور کون سی ناقابل اعتبار اور ناقابل قبول قرار پاتی ہیں۔

وہ اصولی ضابطہ یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ سے متعلق احادیث میں اختلاف و تعارض پایا جاتا ہو یعنی جب قوت اور صحت کے لحاظ سے مساوی درجہ کی احادیث میں سے بعض ایک چیز کے جواز پر اور بعض اس کے عدم جواز پر دلالت کر رہی ہوں، تو اس اختلاف و تعارض کو سلجھانے اور رفع کرنے کے تین طریقے ہیں: نسخ کا طریقہ، جمع و تطبیق کا طریقہ اور ترجیح کا طریقہ، رفع تعارض کے ان تین طریقوں پر محدثین و فقہاء کا اتفاق ہے۔ البتہ ان کی ترتیب میں ان کے مابین ضرور اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک سب سے پہلے نسخ کا طریقہ، پھر ترجیح کا طریقہ، پھر جمع و تطبیق کا طریقہ اور آخر میں توقف ہے۔ علامہ ابن الھمام حنفی نے کتاب التحریر فی الاصول میں اسی ترتیب کو اختیار کیا ہے۔ بعض شافعی علماء کے نزدیک پہلے جمع و تطبیق کا طریقہ، پھر نسخ کا طریقہ، پھر ترجیح کا طریقہ ہے۔ بعض کے نزدیک پہلے ترجیح، پھر جمع و تطبیق اور تیسرے نمبر پر نسخ کا طریقہ ہے، اور

بعض کے نزدیک پہلے ترجیح، پھر نسخ اور پھر جمع و تطبیق کا طریقہ ہے۔ سب کے نزدیک آخر میں توقف و ترک ہے، ہر فریق نے اپنے اپنے موقف کی تائید میں دلائل پیش کئے ہیں جن کی تفصیل متعلقہ کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے، چونکہ میرا مقصد مذکورہ تراتیب میں سے ہر ترتیب سے یکساں طور پر حاصل ہو سکتا ہے لہٰذا اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ دلائل کے لحاظ سے مذکورہ تراتیب میں سے کونسی ترتیب زیادہ صحیح و معقول ہے۔

نسخ کے طریقہ کا مطلب ہے کہ جس مسئلہ سے متعلق احادیث میں اختلاف و تعارض ہے اگر وہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن میں نسخ ہو سکتا ہے تو جو بلحاظ زمانہ پہلے کی ہوں انہیں منسوخ اور جو بعد کی ہوں انہیں ناسخ سمجھا جاتا ہے۔ اس کی کچھ مزید وضاحت یہ کہ اگر وہ مسئلہ جس کے متعلق احادیث میں تعارض ہے ان مسائل میں سے ہے جو ایمانی عقائد اور اصولِ دین سے تعلق رکھتے ہیں تو وہ ناقابل نسخ ہونا اور سرے سے نسخ کے طریقہ میں آتا ہی نہیں، اور اگر وہ ایسے عملی مسائل سے تعلق رکھتا ہے جو قابل نسخ ہوتے ہیں تو اس میں نسخ کا قاعدہ جاری ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ کہ اگر ان متعارض احادیث میں ایسے لفظی و معنوی قرائن اور داخلی و خارجی شواہد پائے جاتے ہوں جن سے بعض احادیث کا تقدم اور بعض کا تأخر ظاہر ہوتا ہو تو متقدم احادیث کو منسوخ اور متأخر احادیث کو ناسخ سمجھ کر منسوخ کو ترک اور ناسخ کو اختیار کر لیا جاتا ہے۔

ترجیح کا طریقہ یہ کہ متعارض احادیث میں سے جس کے اندر وجوہ ترجیح پائی جاتی یا نسبتاً زیادہ پائی جاتی ہوں اس کو راجح سمجھ کر اختیار کر لیا جاتا اور جس میں وجوہ ترجیح نہ پائی جاتی یا کم پائی جاتی ہوں اسے مرجوح جان کر ترک کر دیا جاتا ہے۔ وجوہ ترجیح محدثین کے نزدیک کثیر التعداد ہیں، علامہ حازمی نے کتاب الاعتبار میں وہ پچاس تک لکھی ہیں جبکہ علامہ السیوطی نے تدریب الراوی میں ان کی تعداد سو تک پہنچا دی اور مزید کی گنجائش رکھی ہے۔

جمع و تطبیق کا طریقہ یہ کہ کسی خارجی دلیل کے تحت متعارض احادیث کے معنیٰ و مفہوم میں تاویل اور رد و بدل کر کے ان کو ایک مطلب پہنچا دیا اور ایک کو دوسرے کے ایسے مطابق و موافق بنا دیا جائے کہ دونوں پر عمل ہو سکے۔

ترک و توقف کا مطلب یہ کہ جب دو متعارض احادیث کے درمیان نہ ناسخ

ومنسوخ کا تعین ہو سکتا ہو اور نہ راجح و مرجوح کا تعین، اور نہ ان کے مابین جمع و تطبیق کی کوئی صورت نکل سکتی ہو تو ان احادیث کو چھوڑ کر آثار صحابہؓ یا قیاس کو اختیار کر لیا جاتا ہے

نسخ کے طریقہ سے احادیث مزارعت کا جائزہ

مزارعت سے متعلق متعارض احادیث کا جب ہم مذکورہ اصولی ضابطے کی روشنی میں جائزہ لیتے اور سب سے پہلے ان کو نسخ کے طریقے سے دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ ان میں سے بعض منسوخ اور بعض ناسخ ہو سکتی ہیں کیونکہ جس معاملۂ مزارعت سے ان کا تعلق ہے اس میں نسخ ہو سکتا ہے۔ نیز ان کے اندر ایسے لفظی و معنوی قرائن و شواہد بھی پائے جاتے ہیں جن سے بلحاظ زمانہ بعض کا متقدم اور بعض کا متأخر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ یعنی ان سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو مدینہ میں مزارعت کا عام رواج تھا۔ دوسرے لوگوں کی طرح مسلمان بھی مزارعت پر زمینیں کاشت کے لئے دیتے تھے اور ایک عرصہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس عرصہ میں مسلمان ربٰو تک کا لین دین کرتے تھے۔ اس سے بھی ان کو نہیں روکا گیا جس کی وجہ یہ کہ اب تک اس بارے میں قرآن مجید کے اندر کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ بلکہ بعض احادیث سے ایسا بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایک صحابی نے آپؐ سے پوچھا کہ میں اپنی زمین دوسرے کو مزارعت پر دے سکتا ہوں تو آپؐ نے نفی و اثبات میں کوئی جواب نہ دیا اور سکوت فرمایا۔ یہ حدیث میں کچھ آگے محدث الحازمی کی کتاب الاعتبار سے نقل کروں گا۔ البتہ جب قرآن مجید میں تحریم ربٰو کی آیات آخر میں نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربٰو سے مشابہ و مماثل ہونے کی وجہ سے مخابرت و مزارعت سے بھی منع فرمایا، اس سے پہلے جیسا کہ بعض روایات سے عیاں ہوتا ہے آپؐ نے کراء الارض کی بعض ایسی شکلوں سے جو عموماً نزاع و جھگڑے کا باعث بنتی تھیں اس وقت منع فرمایا جب

آپؐ کے سامنے نزاع وجھگڑے کے کچھ مقدمات آئے لیکن مطلق مزارعت سے تحریم ربٰو کے بعد منع فرمایا، جن احادیث سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے وہ میں پہلے پیش کرچکا ہوں، ان احادیث میں اس قسم کے جو الفاظ ہیں: (۱) کانوا یزرعون بالثلث والربع والنصف فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ ارض الحدیث" (۲) کنا نخابر قبل ان ینہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخبر الحدیث"۔ (۳) کنا فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نأخذ الارض بالثلث او الربع بالماذیانات فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک فقال من کانت لہ ارض الحدیث" (۴) کنا نحاقل الارض علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنکریہا بالثلث والربع والطعام المسمّٰی فنہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نحاقل الحدیث" (۵) کان الناس یکرون المزارع بما یکون علی السواقی وبما یسقی بالماء حول البر فنہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک کلہ الحدیث"

علماء حضرات جانتے ہیں کہ کانوا یزرعون کنا نخابر کنا نأخذ الارض، کنا نحاقل اور کان الناس یکرون المزارع ماضی استمراری کے صیغے ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ماضی میں مزارعت، مخابرت، محاقلت اور کراء الارض پر عمل استمرار کے ساتھ ہوتا چلا آرہا تھا اور فقال النبیؐ، فقام رسولؐ اللہ فی ذلک فقال، فنہانا رسولؐ اللہ، فنہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فاء تعقیب اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ممانعت بعد میں وارد ہوئی، اور پھر کنا نخابر قبل ان ینہانا رسول اللہ صلعم میں تو پوری صراحت ہے کہ مزارعت کی نہی کا زمانہ بعد کا ہے۔ رہا یہ کہ وہ زمانہ تحریم ربٰو کے بعد کا ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ احادیث میں اس کی پوری صراحت و وضاحت ہے کہ جب آیات تحریم ——— نازل ہوئیں تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مخابرہ کو نہ چھوڑے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جائے یا یہ کہ اس کے لئے اللہ اور رسولؐ کی طرف سے اعلان جنگ ہے، اسی طرح جن احادیث میں مزارعت کو ربٰو فرمایا گیا ہے وہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کا زمانہ تحریم ربٰو کے بعد کا زمانہ ہے، علاوہ ازیں عقل و دانش کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مزارعت کی ممانعت، ربٰو کی ممانعت کے بعد وجود میں آئے کیونکہ معاشی معاملات میں سب سے برا اور ظالمانہ معاملہ ربٰو کا معاملہ ہے۔ جب تک اس کی ممانعت نہ ہو اس وقت تک مزارعت وغیرہ کی

ممانعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہاں بطور جملہ معترضہ یہ عرض کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ جہاں تک ربٰو کے حرام و باطل ہونے کا تعلق ہے ظلم و حق تلفی پر مبنی ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ روزِ اوّل سے حرام و باطل معاملہ تھا سابقہ ادیان اور کتب سماویہ میں اسے حرام بتلایا اور اس سے منع کیا گیا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں اس کا واضح ذکر ہے، لیکن مسلمانوں کے لئے اس کی تحریم کا اعلان اور ممانعت کا حکم ابتدا ہی میں نہیں بلکہ کافی تاخیر سے ہونا ایک خاص حکمتِ عملی پر مبنی تھا جسے اسلام نے اپنے قوانین کے نفاذ میں پوری طرح ملحوظ رکھا ہے اور وہ یہ کہ کسی قانون کو اس وقت نافذ کیا جائے جب اس کے لئے موافق و سازگار ذہنی و خارجی حالات پیدا ہو جائیں کیونکہ اس کے بغیر پہلے تو اس کا نفاذ عمل میں آ ہی نہیں سکتا اور کسی طرح آ جائے تو پائیداری کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔ ضرور اس کا الیسا ردِّ عمل ظاہر ہو کر رہتا ہے جس کا ضرر حاصل شدہ فائدے سے کہیں زیادہ ہوتا ہے، لہٰذا جب تک وہ ذہنی و خارجی حالات پیدا نہ ہو گئے جو ممانعت ربٰو پر عمل کرنے کے لئے ضروری تھے اس وقت تک اس ممانعت کو معرضِ التوا میں رکھا گیا اور جب وہ مطلوبہ حالات وجود میں آ گئے تو اس کو قانونی طور پر ممنوع قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ اس وقت اس سے وہ دوسرے معاشی معاملات بھی ضرور متاثر ہوئے جن میں کم و بیش ربٰو کی برائی پائی جاتی تھی۔ اور وہ ربٰو سے مشابہ و مماثل تھے اور جن میں سرِ فہرست مخابرت و مزارعت کا معاملہ تھا۔ لہٰذا خصوصیت کے ساتھ اس سے منع فرمایا گیا، اس کا مطلب یہ کہ مزارعت کی ممانعت کا حکم بلحاظِ زمانہ مؤخر ہے لہٰذا ناسخ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس سے پہلے خاص طرح کے حالات کی وجہ سے اس کا جو عبوری جواز تھا وہ اب ختم اور منسوخ ہو گیا۔

واضح رہے کہ ناسخ و منسوخ احادیث کے موضوع پر محدثین نے جو کتابیں تصنیف فرمائی ہیں ان میں امام حافظ ابو بکر الحازمی کی کتاب جس کا نام ہے "کتاب الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الآثار" خصوصی اہمیت رکھتی اور متعدد مرتبہ طبع ہو چکی ہے، علامہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں امام ابو بکر محمد بن ابی عثمان الحازمی الھمذانی الملقب زین الدین کے متعلق لکھا ہے:-

کان احد الحفاظ المتقنین	وہ ان حفاظِ حدیث میں سے ایک تھے
الصالحین وغلب علیہ الحدیث	جو اتقان و رسوخ کے ساتھ صلاح و
وبرع فیہ واشتھر بہ و	تقویٰ سے بھی آراستہ تھے، علم حدیث
صنف فیہ وفی غیرہ کتبا	کا ان پر غلبہ ہوا، اس میں انہوں نے
مفیدۃ منھا الناسخ والمنسوخ	کمال حاصل کیا اور محدث کی حیثیت سے
فی الحدیث .... الخ	شہرت پائی، حدیث میں اور دوسرے

علوم میں مفید کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سرفہرست کتاب الناسخ والمنسوخ فی الحدیث ہے

علامہ السبکی نے طبقات الشافعیہ میں ان کے متعلق جو لکھا ہے اس میں سے بعض جملے اس طرح ہیں:

قدم بغداد عند بلوغہ واستوطنھا	بلوغت کے وقت بغداد آئے اور اسی
وتفقہ بھا علی مذھب الشافعی	کو وطن بنایا، وہیں شافعی مذہب کے
وجالس علماءھا وتمیز وفھم	مطابق فقہ حاصل کی، وہاں کے علماء
وصار من احفظ الناس للحدیث	کی مجالس میں بیٹھے اور علم و فہم میں امتیاز
واسانیدہ و رجالہ مع زھد	پایا، زہد و عبادت، ریاضت، ذکر کے
وتعبد و ریاضۃ و ذکر و	ساتھ ساتھ حدیث، اس کی اسانید اور
صنف فی علم الحدیث مصنفات	اس کے رجال کے سب سے بڑے
واملی عدۃ مجالس وکان یغلب	حافظ بنے اور علم حدیث میں متعدد کتابیں
علیہ معرفۃ احادیث الاحکام	تصنیف فرمائیں اور متعدد علمی مجالس میں

درس حدیث دیا، احادیثِ احکام کی معرفت ان کی نمایاں خصوصیت تھی۔

ابن النجار نے ان کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

کان من الائمۃ الحفاظ العالمین	ابوبکر الحازمی ان ائمہ اور حفاظ حدیث
بفقہ الحدیث ومعانیہ ورجالہ	میں سے تھے جو حدیث کی فقہ اور حدیث
الف الناسخ والمنسوخ	کے معانی و مطالب اور اس کے رجال
(مقدمۃ کتاب الاعتبار)	کو جاننے والے تھے، انہوں نے حدیث

کے ناسخ و منسوخ کے موضوع پر کتاب تالیف فرمائی۔ (بقیہ ص ۴۴ پر)

قرآن کی صِفات

سیّد اسعد گیلانی

قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے نازل کی گئی ہے - یہ ان تمام تعلیمات کی یاد دہانی کراتی ہے جو اللہ کی طرف سے انبیاء کرام کی معرفت انسانوں پہ نازل ہوتی رہی ہیں اس اعتبار سے یہ ذکر ہے - یہ اللہ تعالےٰ کی ہدایات اور احکام کی حامل کتاب ہے جو اللہ مالک یوم الدین اور عظمت والا ہے اس لحاظ سے یہ ایک عظیم کتاب ہے - یہ ایک ایسا قانون ہے جو دنیا کے تمام قوانین کو منسوخ کرکے صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی حاکمیت کو نافذ کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اس لحاظ سے اسکی بڑائی اور کبریائی کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا -

قرآن کریم گوناگوں صفات کی حامل کتاب ہے - قرآن کی صفات خود قرآن میں بیان کی گئی ہیں -

(۱) قرآن بڑی شان والا ہے - قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ (ق - ۱/۲۶)

(۲) قرآن بڑی عظمت والا ہے - وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (الحجر)

(۳) قرآن بڑی حکمت والا ہے - وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ (یٰسٓ)

(۴) قرآن بڑی عزت والا ہے اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ (الواقعہ)

(۵) قرآن بہت واضح ہے - قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ - (الحجر)

(۶) قرآن بڑی باوقعت کتاب ہے كِتَابٌ عَزِيْزٌ (حم السجدہ)

۷ - قرآن حق کی علمبردار کتاب ہے - اَلْکِتَابَ بِالْحَقِّ (النساء)
۸ - قرآن مبنی برحقیقت مضامین پرمشتمل کتاب ہے - فِیْهَا کُتُبٌ قَیِّمَه (البینه)
۹ قرآن ہر شک وشبہ سے بالاکتاب ہے - ذَالِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ (البقره)
۱۰ - قرآن باطل سے پاک کتاب ہے - اِنَّهٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ (حٰمٓ السجده)
۱۱ - قرآن سراسر حق پرمشتمل کتاب ہے قَدْ جَآءَکُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ (یونس)
۱۲ - قرآن ہدایت کا مرکز ہے - اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (النساء)
۱۳ - قرآن اللہ کی نشانی اور اتھارٹی ہے - قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ (النساء)
۱۴ - قرآن فیصلۂ خداوندی ہے - نَزَّلَ الْفُرْقَانَ (الفرقان)
۱۵ - قرآن عربی زبان میں حکم الٰہی ہے اَنْزَلْنَاهُ حُکْمًا عَرَبِیًّا (الرعد)
۱۶ - قرآن ایک فیصلہ کن کلام ہے - قَوْلٌ فَصْلٌ (الطارق)
۱۷ - قرآن نصیحت آمیز ذکر ہے - مِنْ لَّدُنَّا ذِکْرًا - (طٰهٰ)
۱۸ - قرآن راہِ ہدایت کا رہنما ہے - یَهْدِیْ اِلَی الْحَقِّ (الاحقاف)
۱۹ - قرآن بیماریوں کی شفاء ہے - مَا هُوَ شِفَآءٌ (بنی اسرائیل)

یہ ہم نے قرآن میں سے قرآن کی چند صفات بیان کی ہیں جو اس نے اپنی بیان کی ہیں اسے دل کی بیماریوں کی شفاء کہا گیا ہے - یہ مومنین کیلئے راہ ہدایت اور رہنمائی کا کام دیتی ہے - یہ سراسر رحمت ہے اور اس سے دلوں کے روگ اور ایمان کے ضعف دور ہوتے ہیں - یہ ظالموں کی نشاندہی کرتی اور ان کا محاسبہ کرتی ہے - یہ مظلوموں کی حمایت اور دستگیری کرتی ہے - یہ کمزوروں کی آواز کو بلند کرتی اور حاجتمندوں کی حاجتوں کو رفع کرنے کا اپنے اندر سامان رکھتی ہے - یہ صاحب عقل اور صاحب بصیرت لوگوں کو

خوشخبری سنانے والی اور ظلم و ستم کر کے نافرمانی کرنے والوں کو ڈرانے اور گرفت کرنے والی کتاب ہے - یہ انسانوں کو ان کے مالک اور خالق سے ملانے کا واحد ذریعہ ہے -

قرآن نے گذشتہ قوموں کا تاریخی اور دعوتی ذکر کر کے ان سے عبرت حاصل کرنے کا سامان فراہم کیا ہے" لوگ جو خدا کی تعلیمات کے مناسب تھے جب انہوں نے تعلیمات الٰہی کو قبول کیا تو ان کے لئے کس طرح دنیا میں ترقی و بلندیٔ درجات کے دروازے کھل گئے اور آخرت میں انہوں نے کس طرح خدا کی رضا کو حاصل کیا اور جن قوموں نے اللہ تعالےٰ کی ارسال کردہ تعلیمات اور ہدایات کے ساتھ انکار و انحراف اور اعراض کا رویہ اختیار کیا ان کا انجام کیا ہوا اور وہ قومیں کس طرح تباہ برباد ہو گئیں - یہ آثار قدیمہ کا بڑا حصہ ان قوموں کی نافرمانی اور عبرت ناک تباہی کا نقشہ پیش کرتے ہیں - اس تذکرہ سے انسان نصیحت حاصل کرے تو یہ قرآن اس کے لئے ذکر کا کام دیتا ہے - اس قرآن میں انسانی زندگی کے لئے ہدایات ہیں جو انسانوں کے آقا اور خالق نے انسانی زندگی کی رہنمائی کے لئے دی ہیں - اگر انسان ان تعلیمات کو قبول کرے تو یہ عظمت والی تعلیمات اسکی زندگی کو سنوارنے کے لئے بہت کافی ہیں - یہ اللہ رب العالمین کا فرمان ہے اس لئے واجب ——— ہے - قرآن میں اختیاری احکام کوئی نہیں ہیں - سارے احکام فرائض کا درجہ رکھتے ہیں -

قرآن یہی بات بیان کرتا ہے کہ انسانوں کا حقیقی بادشاہ اللہ تعالےٰ ہی ہے - باقی ساری مخلوق اسکی رعایا ہے جسے بے چون و چرا اسکی اطاعت کرنی چاہیئے اور جن قوموں نے اطاعت خداوندی سے انحراف کیا ان کا نام و نشان مٹ گیا -

قرآن کی خصوصیات حیرت انگیز ہیں جن کا شمار کرنا بھی مشکل ہے -

۱ - یہ واحد کتاب ہے جس کا آغاز لا ریب فیہ کہہ کر کیا گیا ہے - کہ اس میں سب حقائق ہی حقائق ہیں اس میں شک و شبہ کی ایک

بات بھی نہیں ہے - اسکی کسی بات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا - اس کا پیش کرنیوالا حیرت انگیز اعتماد کے ساتھ اسے پیش کرتا ہے - اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ - یہ کتاب حق اور کتاب یقین ہے ہر تذبذب سے بالا ہر شک سے بالاتر -

۲ - اس کتاب میں بس کوئی تضاد نہیں ہے - ہر بات دوسری باتوں کی تائید کرتی ہے - اس کی کوئی بات بھی اپنی کسی دوسری بات کو جھٹلاتی نہیں ہے -

۳ - ایک انتہائی سنجیدہ کتاب ہونے کے باوجود اس کے اسلوب بیان میں ایسی حلاوت اور مٹھاس ہے کہ اسے پڑھتے ہوئے انسان پر سوز و گداز اور رقت کی کیفیت بار بار طاری ہوتی ہے - اس کتاب کے آگے انسان کی روح سربسجود ہو جاتی ہے - یہ مسخر کر لینے والی کتاب ہے -

۴ - یہ واحد کتاب ہے جو بار بار ایسے مخالفین کو چیلنج دیتی چلی آ رہی ہے کہ اس کی طرز پر ایک پیرا، ایک صفحہ نہیں بلکہ چند جملے ہی بنا کر لاؤ لیکن چودہ سو سال سے یہ چیلنج اپنی جگہ پر قائم ہے اور بڑی بڑی تخلیقی قوتیں رکھنے والوں کے پاس اس چیلنج کا کوئی جواب نہیں ہے -

۵ - یہ کوئی ایسی مذہبی کتاب بھی نہیں ہے جیسی دوسری عام مذہبی کتابیں تشریح مذاہب کے لئے لکھی جاتی ہیں - بلکہ یہ انسانی زندگی کے لئے ایک کتاب ہدایت ہے - ایسی گائیڈ بک جس میں انسان کے لئے پورے ایک نظام زندگی کا نقشہ اور خاکہ موجود ہے - فرد کی اصلاح و تعلیم کے لئے معاشرے کی تعلیم و تربیت و اصلاح کے لئے، حکومتوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے، قوموں کی فلاح و بہبود اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے اس میں ہدایات موجود ہیں گویا یہ کتاب علم و ہدایات اور رہنمائی کا مرقع اور سرچشمہ ہے -

۶ - اس کتاب کا موضوع انسان ہے - یہ انسان کی زندگی کے ہر پہلو سے بحث کرتی ہے - یہ انسانی زندگی کو ایک وحدت اور کُل کی حیثیت سے پیش کرتی ہے - یہ ایک مخصوص طرز کی ثقافت، تہذیب و تمدن اور اجتماعیت ابھارتی ہے - یہ انسانیت کو قوموں میں تقسیم کر کے انہیں آپس میں تصادم

کے راستے پر نہیں ڈالتی بلکہ یہ کتاب بتاتی ہے کہ ہماری انسانی آبادی ایک کنبہ ہے جس کے والدین ایک ہی تھے اور تمام انسان ایک ہی خاندان کے افراد ہیں جن کو تاریخ اور جغرافیہ نے باہمی تقسیم کیا ہوا ہے لیکن تاریخ و جغرافیہ کی تقسیم حقیقی تقسیم نہیں ہے - انسان ایک ہی نوع ہے جو پوری دنیا میں آباد ہے اور پوری دنیا ان کے والدین کی جائیداد اور وراثت ہے۔ ملکوں اور قوموں کی تقسیم آبادی کی کثرت کا نتیجہ ہے نہ کہ نوع بدل جانے یا اقدار و اخلاق بدل جانے کا نتیجہ ہے - انسان کی اخلاقی اقدار ایک ہی ہیں اور اس کے معروف و منکر کے پیمانے بھی ایک ہی ہیں - اسکی ثقافت اور کلچر کے بنیادی اجزا بھی ایک ہی ہیں -

۷ - یہ کتاب حق و باطل کا امتیاز سکھانے کی بہترین کسوٹی ہے - حق و باطل کی شناخت کے لئے اس کتاب سے بہتر اور کوئی پیمانہ نہیں ہے - جس چیز کو یہ حق کہے وہ حق ہے اور جس چیز کو باطل کہے وہ باطل ہے - یہ ظلم و عدل اور حق و باطل کے راستے کھول کھول کر بیان کر دیتی ہے - اس کو پڑھ کر انسان حق و باطل کا بنیادی علم حاصل کر لیتا ہے -

۸ - یہ کتاب ادبی لحاظ سے بھی ایک منفرد کتاب ہے - اس کا اسلوب جداگانہ اور نرالا ہے - اس کی تشبیہات اور استعارے لاجواب ہیں - اس میں انسانی ذوق اور اسکی روایات کو ملحوظ رکھ کر ادبی تشبیہات اور استعارے استعمال کئے گئے ہیں - قرآن کا ادب منفرد اور یکتا ہے جسے الہامی ادب کہا جا سکتا ہے - قرآن کے اولین مخاطب جو اسے سنتے تھے تو اسکی سماعت سے ہی مرعوب ہو کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے - مخالفین تک میں اس کے ادب کی بلندی اور معانی کی گہرائی کو سن کر اس سے انکار کی تاب نہ ہوتی تھی - بعض اوقات وہ اپنے کانوں میں انگلیاں دے کر اپنے آپ کو اس کے تاثیر کی زد سے بچاتے تھے - اس کا ادب ناقابل مزاحمت ہے -

۹ - قرآن کا انداز خطیبانہ ہے - اس خطابت سے اس میں جوش و جذبہ اور حسنِ ادا کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے - اسکے اندر دل میں سرایت کر جانے

کی قوت بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس میں جہاں مضامین اور الفاظ کی تکرار ہے وہاں بھی عجیب صوتی حسن اور معنوی نکتہ آفرینی کا لحاظ رکھا گیا ہے کہیں اجمال ہے۔ کہیں تفصیل ہے۔ کہیں دھمکی ہے۔ کہیں خوشخبری ہے۔ کہیں دلنشیں رحمت کا دروازہ کھلتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور کہیں مجرموں پر غضب آلود لہجے کا اختیار ہے۔ اگرچہ قرآن کا سارا استدلال عقلی ہے لیکن اس میں جذبات کو قوتِ محرکہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

ایک بزرگ نے کہا تھا کہ جب میں قرآن پڑھتا تھا تو لطف نہ آتا تھا پھر میں نے اپنے اوپر یہ احساس طاری کیا کہ جیسے میں یہ کلام براہِ راست حضرت جبرئیل سے سن رہا ہوں۔ بس اس احساس سے لذت میں اضافہ ہوگیا پھر میں نے سوچا کہ اس قرآن میں تو خود اللہ تعالےٰ براہ راست اپنے بندوں سے مخاطب ہے اور وہ درس قرآن کے ذریعے اور اسکے الفاظ کے اندر خود مجھ سے بھی مخاطب ہے بس اس احساس کے بعد تو پھر ایسا کیف پیدا ہوا کہ جو پہلے کبھی پیدا نہ ہوا تھا اور میں اس کے اندر گم ہو کر رہ گیا۔ قرآن سرسری مطالعہ کی کتاب نہیں۔ یہ اپنے قاری سے اپنے اندر گم ہو جانے کا مطالبہ کرتی ہے۔

غرض قرآن جس مالک الملک کا کلام ہے وہ اپنے بندوں کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اس لئے اس کا کلام انسان کے دل میں اترتے چلے جانے کی اپنے اندر بہترین خصوصیت اور صلاحیت رکھتا ہے۔

(بقیہ صـ۳۸)

مذکورہ عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ ابوبکر الحازمی متوفی ۵۸۴ھ اپنے وقت کے عظیم محدث، حافظ اور ماہر علوم حدیث اور فقہ الحدیث تھے۔ ناسخ اور منسوخ احادیث کی معرفت میں ان کو ممتاز درجہ حاصل تھا اور یہ کہ اس موضوع پر ان کی کتاب، ایک نہایت مستند اور معتبر کتاب ہے۔

حسن انتخاب

تفسیر قرآن

سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ!

درج ذیل سطور مولانا اخلاق حسین قاسمی کی تالیف 'محاسن موضح القرآن' سے ماخوذ ہیں۔ اس کتاب پر تبصرہ ماہ اگست کے 'حکمتِ قرآن' میں شائع کیا گیا تھا۔ ان سطور میں فاضل مصنف نے مولانا مناظر احسن گیلانی کے حوالے سے تفسیر قرآن کے موضوع پر حضرت مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ کی تحقیق کو نقل کیا ہے۔ جسے قارئین 'حکمتِ قرآن' کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔ ادارہ

قرآن کریم کی تفسیر کے سلسلہ میں روایات و آثار کا جو ذخیرہ متاخرین علما کے ہاتھوں میں پہنچا ہے اس کا زیادہ تر حصہ غیر مستند ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم کی سب سے زیادہ معتبر اور صحیح تفسیر وہی ہو سکتی ہے جو آپؐ سے براہِ راست علم حاصل کرنے والے حضرات صحابہ کرام سے روایت کی گئی ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تفسیر قرآن کے لئے حدیث و اثر کے نام سے ہر قسم کی جعلی اور موضوع باتوں کو تسلیم کر لیا جائے۔

علامہ سیوطی نے اتقان میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے

قال احمد ثلاثة كتب ليس	تین کتابیں حدیث کی ایسی ہیں جن کی اصل
لها اصل التفسير والملاحم	نہیں تفسیری روایت، پیش گوئیوں اور
والمغازی (ج ۲، ص ۵۳۸)	غزوات سے متعلق واقعات و اقوال

پھر سیوطی نے اپنی رائے ان لفظوں میں دی ہے:

اصل المرفوع منه فی غایة القلة (ج ۲، صـ۸۲۱)	ایسی روایات جو براہِ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ منقول ہوں تفسیر کے سلسلہ میں بہت کم ہیں۔

روایات کے بعد آثارِ صحابہ کا درجہ ہے اور ان میں خاص طور پر حضرت ابن عباسؓ کے اقوال زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے متعلق سیوطی محققین علماء کا فیصلہ نقل کرتے ہیں:۔

وھذہ التفاسیر الطوال التی اسندوھا الی ابن عباس غیر مرضیة و رواتھا مجاھیل (صـ۵۵۳)	یہ لمبی لمبی تفسیری روایتیں جو ابن عباس کی طرف منسوب ہیں سب غیر پسندیدہ ہیں سند کے لحاظ سے اور ان کے راوی مجہول اور نامعلوم اشخاص ہیں۔

امام شافعیؒ نے جب اقوالِ ابن عباسؓ پر تحقیقی اور تنقیدی نظر ڈالی تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے:۔

لم یثبت عن ابن عباس فی التفسیر الاشبہ مائة حدیث (صـ۵۵)	تقریباً سو روایتوں کے سوا حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب اقوال صحیح ثابت نہیں ہوسکے

اس مسئلہ کی وضاحت مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب نے حضرت مولانا سید محمد انور صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"احادیث کے سب سے معتبر اور صحیح مجموعے بخاری شریف میں تفسیری روایات کا حصہ دوسری قسم کی احادیث کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور اس میں بھی امام بخاری رحؒ نے منقول روایات سے زیادہ قرآن کریم کی لغوی تشریح پر زیادہ توجہ دی ہے۔

اس تشریح کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شارح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام نے اس تشریح میں ابو عبیدہ معمر ابن المثنیٰ کی کتاب "مجاز القرآن" پر زیادہ بھروسہ کیا ہے۔

اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق یہ تھی کہ:

"لم یعرج الی النقد اصلا"

امام بخاریؒ نے معمر کے اقوال تنقید کے بغیر اپنی کتاب میں نقل کر دیئے ہیں، اسی لئے ابن المثنیٰ کی کتاب میں جو نقص پائے جاتے ہیں وہ کوتاہیاں صحیح بخاری میں کتاب التفسیر میں باقی رہ گئی ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بخاری میں جو تفسیری اقوال پائے جاتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ محض ان کے ناقل ہیں، یہ سمجھنا غلط ہے کہ امام بخاری رحؒ کا فیصلہ بھی یہی ہے (ص۱۲۲، حیاتِ انور بحوالہ فیض الباری)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ تھا کہ تفسیر قرآن کے [illegible] مسلک صحیح ہے کہ جب تک کسی آیت کی تفسیر کے لئے کوئی روایت نہ [illegible] تفسیر نہیں اور نہ یہ آزادروی درست ہے کہ سلف صالحین کے مستند [illegible] عربی اور سیاق وسباقِ قرآنی سے بالکل بے نیاز ہو کر قرآن کریم کی من [illegible] تشریح کی جائے، بلکہ تفسیر کے صحیح طریقہ کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ [illegible]

من حجر على العلماء ان لايبرزوا	علماء کو اس بات سے کسی [illegible]
معانی الکتٰب بعد الامعان فی	کہ وہ کتاب الٰہی کے مطالب بیان کریں
السباق والنظر الی حقائق الالفاظ	اس طرح کہ ان کے سامنے سیاق وسباق
المراعیۃ لعقائد السلف	ہو، الفاظِ قرآنی کے حقائق (لغوی معنی

اور مرادی مفہوم) ہو اور ساتھ ہی سلف صالحین کے مسلّم تصورات وعقائد کی رعایت ملحوظ رہے ۔

اس کے بعد شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ۔

بل ذٰلک حظهم من الکتٰب فانهم	بلکہ کتاب الٰہی میں علماء کا درحقیقت
هم الذین ینظرون فی عجائبه	یہی حصہ ہے کہ وہ اس کتاب کے نئے
ویکشفون الاستار عن وجوه دقائقه	نئے پہلوؤں پر غور کرتے ہیں اور اس
ویرفعون الحجب عن خبئات حقائقه	کے پوشیدہ اسرار سے نقاب الٹتے ہیں
فهذا النوع من التفسیر بالرای	جو باتیں چھپی ہوئی ہیں انہیں باہر لاتے
حظ اولی العلم ونصیب العلماء	ہیں۔ اگر یہی تفسیر بالرائے ہے تو اہل علم
المستنبطین	کا حقیقت میں یہی حصہ ہے اور کتاب

الٰہی سے مسائل کا استخراج کرنے والے علماء کی یہی غذا ہے ۔

راقم نے تمہیدی طور پر یہ چند باتیں اس لئے بیان کی ہیں کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب کو سمجھنے میں آسانی ہو ۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کی مطبوعات میں

ایک اہم اضافہ

سانحۂ کربلا

ڈاکٹر اسرار احمد

کی

ایک اہم تقریر جواب کتابی شکل میں شائع ہوئی ہے۔

صفحات ——— ۴۸

قیمت : ——— ۳ روپے صرف

——— ملنے کا پتہ ———

۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور ، فون: ۸۵۲۶۱۱

Regd. L. No. [illegible]

'HIKMAT-E-QURAN' MONTHLY LAHORE

Vol. 2 | OCTOBER 1983 | No. [illegible]

مرکزی **انجمن خدام القرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ——— اور ——— **سرچشمۂ یقین**

قرآن حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے ——— اور ——— اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ امت مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی **نشاۃِ ثانیہ** — اور — **غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی**

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللہِ